آپ ﷺ کا ذکر رفیع اور قرآنِ حکم

ڈاکٹر محمد صدیق شاکر

The Dignified Status of Prophet Muhammad (SAW) and the Holy Qur'an

The blessing of Allah, Subhanahu wa Ta'ala, is general on all of His creations, but Allah has specially bestowed His blessings as a gift to the Holy Prophets. Among them, the most blessed, highly ranked, dignified and mentioned is the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him). Allah has certified this high status by bestowing His last Holy scripture, the Holy Qur'an on Prophet Muhammad (peace be upon him). In this Holy Book, Allah, Subhanahu wa Ta'ala, has mentioned and admired Prophet Muhammad's his high status at different places by citing explanations, parables and similitudes.

In this article, the dignified status of the Prophet Muhammad (peace be upon him) has been elaborated from different aspects in the light of Qur'an and Ahadith. Thirty nine important topics have been chosen and discussed in detail, which prove the highest blessings, status gifted to the Holy Prophet (peace be upon him).

فضل عظیم

فضل لغت میں اس عطیے کو کہتے ہیں جس کا دینا معطی پر لازم نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ انعام ہے جو کسی کو اس کے حق سے زیادہ مل جائے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فضل کی یہی تعریف لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

کل عطیة لاتلزم من یعطی یقال لها فضل (۱)

ہر وہ عطیہ جس کا دینا معطی (دینے والے) پر لازم نہ ہو، اسے فضل کا نام دیا جاتا ہے۔
راغب اصفہانی۔ المفردات بہ ذیل مادہ یہ لفظ قرآن مجید میں بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اسے بالعموم اللہ کی طرف نسبت دی گئی ہے جیسے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (۲)

یہ اللہ کا بڑا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بہت علم رکھنے والا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (۳)

فرما دیجئے کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بہت جاننے والا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے اپنی خاص رحمت فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ (۴)

فرما دیجئے! جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوتا ہے۔

ایک جگہ اللہ سے فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (۵)

اور اللہ سے اس کا فضل و کرم مانگتے رہا کرو۔

کیوں کہ اللہ کا فضل عام ہے۔ جن و انس، انسان و حیوان، چرند و پرند سب اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اس کی مشیت یہی ہے کہ کوئی اس کی عطا سے محروم نہ رہے۔ لیکن اس کا اپنے بندوں پر خصوصی فضل بھی ہوتا ہے۔ جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وہ برگزیدہ بندے ہیں، جن پر سب سے زیادہ فضل الٰہی ہوتا ہے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا (۶)

اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضل عطا کیا۔

دوسرے انبیاء بھی فضل الٰہی سے فیض یاب ہوئے لیکن فضل عظیم کے حصول کی سعادت کسی کے حصے میں نہ آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو ذاتِ حق کی طرف سے عنایت ہوئی اُسے لفظ انعام سے تعبیر کیا

گیا۔ ارشاد گرامی ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (۷)

وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ایک بندے ہی تھے۔ ہم نے ان پر انعام کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اللہ کا فضل و کرم ہوا تو اس کے لئے ''فضل'' اور ''انعام'' کی جگہ کلمہ ''من'' لایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ (۸)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر احسان کیا۔

دوسری جگہ ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى (۹)

اور اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم نے دوبارہ تم پر احسان کیا

احسان بھی عربی کا لفظ ہے۔ نیکی اور بھلائی کے معنوں میں آتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (۱۰)

اگر تم نیکی اور بھلائی کرو گے تو اپنے آپ کے ساتھ کرو گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر فضل و کرم کا ذکر کیا تو یوں فرمایا:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِّيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ (۱۱)

یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ مذکورہ صدر چاروں کلمات فضل، من، انعام اور احسان معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ سب میں نیکی اور بھلائی کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ البتہ عمومیت کے اعتبار سے لطیف سا فرق ہے۔ ''احسان''، ''انعام'' سے عام ہے اور ''انعام''، ''من'' سے عام ہے اور ''من''، ''فضل'' سے عام ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس کا امام اللغۃ حضرت امام راغب اصفہانیؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے، لیکن میں جس نکتے کو یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان چاروں کلمات میں ''فضل'' معنوی طور پر سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس میں ایک لفظی شکوہ پایا جاتا ہے جو دیگر کلمات میں نہیں ملتا۔ ذات کبریا نے جب اپنے حبیب پر اپنے انعام خصوصی کا ذکر فرمانا چاہا تو اس کے لئے لفظ ''فضل'' کا انتخاب فرمایا اور اس کے ساتھ ''عظیم'' اور ''کبیر'' لگا کر اس کی قدر و قیمت میں اور اضافہ فرما دیا۔

ایک اور نکتہ جس کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی مہربانیوں کا ذکر فرمایا تو اسے لفظ ''من'' کے ساتھ فرمایا۔ ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى (۱۲)

اور ہم نے تم پر دوسری مرتبہ احسان کیا۔

یہی بات جب حبیب کبریا حضرت محمد ﷺ سے فرمائی گئی تو کلمات یہ تھے:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً (۱۳)

اور آپ ﷺ پر اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے

البتہ آپ کی امت کو جب آپ ﷺ کی بعثت کے انعام اور اس کی برکات سے نوازا گیا تو اس کا ذکر کلمہ ''من'' سے کیا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے لایا گیا تھا، ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۱۴)

اللہ کا اہل ایمان پر احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمادیا جو انہیں اللہ کا کلام سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کردار بناتا ہے۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حال آں کہ اس سے پہلے تم کھلی بے راہ روی سے دوچار تھے۔

دوسری جگہ فرمایا:

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا (۱۵)

تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر اپنا کرم فرمایا۔ پس سوچ سمجھ کر چلو۔

من اور فضل میں ایک اور لطیف فرق یہ ہے کہ من اس انعام کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں جتلانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جب کہ فضل میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا۔ فضل اللہ کا انعام عام جو اس کی بے پایاں رحمت اور بے پناہ لطف وکرم کی غمازی کرتا ہے۔ اس ارشادِ گرامی سے اس کی تائید ملتی ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۱۶)

ایمان والو! اپنے صدقات وخیرات کو احسان جتلا کر اور دُکھ دے کر ضائع نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس کے مقابلے میں ''فضل'' دیکھئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ O (۱۷)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور بہت علم والا ہے۔

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۱۸)

فرما دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ ہے اس لئے لوگوں کو اس پر خوش ہونا چاہئے۔

بے شک اللہ کا فضل اور اس کی رحمت، سامانِ فرحت و انبساط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر بڑا فضل فرمایا کہ اسے رحمتِ مجسم بنایا اور اس کے ذکر کو رفعت بخشی۔ یہ بھی اس فضل عظیم کے سلسلۂ (انعامات) کی ایک کڑی ہے۔ جس سے کئی لڑیاں نکلتی ہیں۔

ایک چشمۂ حیات ہے جس سے کئی سوتے پھوٹتے ہیں، ایک منبع نور ہے جس سے کئی لمعات اور لپٹیں نکلتی ہیں۔ ذیل میں ہم چشمہ و فضل اور منبع نور سے پھوٹنے والے ان سوتوں اور لپٹوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ گو وہ تعداد میں بہت ہیں لیکن ہم اپنی بساط کی حد تک ان کا ذکر کرتے ہیں۔

فضل خداوندی میں سے سب سے بڑا اور سب سے عظیم فضل، کتاب مبین ہے۔ جسے ایک انعام کے طور پر آپ کے لوحِ قلب پر اُتارا گیا ہے۔ اس بارے میں واضح ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۱۹)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت اُتاری اور آپ کو اس علم سے نوازا جس سے آپ ﷺ آشنا نہ تھے اور اللہ کا آپ پر بہت ہی بڑا فضل ہے۔

دوسرے مقام پر اس نعمت الٰہی کو ''فضل کبیر'' کا نام دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا O اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا O (۲۰)

اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ سے وہ انعام واپس لے لیں جو ہم نے آپ کو بہ ذریعہ وحی عطا کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ کو کوئی حمایتی بھی نہیں ملے گا جو آپ کو وہ واپس دلا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو جو کچھ ملا ہے، رب کی رحمت سے ملا ہے۔ یقینی بات ہے کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

یہ وہ انعام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عطا ہوا۔ اس بارے میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۲۱)

جب اللہ کہیں گے اے عیسیٰ بن مریم! میرے انعامات کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کئے، جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری مدد کی، تو گہوارے میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت سے آشنا کیا۔

وہ کتاب جو آپ ﷺ پر انعام کی گئی وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام اور کتاب عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے گوناگوں اوصاف کی وجہ سے مختلف ہے۔ جو گوناگوں اوصاف سے متصف ہے۔ کچھ اوصاف تو ایسے ہیں جو تورات و انجیل سے مماثلت رکھتے ہیں باقی بہت سے ایسے ہیں جو منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہی امتیازی اوصاف ہی اس کے فضل عظیم ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ مشترک اوصاف میں ہدایت، رحمت، نور اور سامان پند و موعظت ہیں۔ جو ذاتِ حق نے خود بیان فرمائے ہیں۔ قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (۲۲)

اور ہم نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں ہر بات کی وضاحت ملتی ہے اور سامانِ ہدایت و رحمت اور مژدہ جاں فزا ہے۔

اسی طرح کے اوصاف تورات کے بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (۲۳)

بلاشبہ ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جو ہدایت اور نور کی حامل تھی۔

یہی وصف انجیل کے بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (۲۴)

اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تورات ہو یا انجیل یا دیگر صحف سماوی سب سامانِ ہدایت تھے۔ ظلماتِ کفر میں اُجالا بن کر آئے۔ حق کی راہیں روشن کر دیں۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ نصیب ہوئی۔ لیکن وہ زمانے کے دست و برد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکے۔ خود ان ہی لوگوں نے، جن کے لئے یہ سامان ہدایت اُترا تھا، من مانی کرتے ہوئے اس میں تبدیلیاں کر ڈالیں۔ یہاں تک کہ ان کی اصل صورت ہی مسخ ہو گئی۔ اسی بارے میں ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

اِنَّا اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا
وَالرَّبَّانِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ (۲۵)

ہم ہی نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی جو اس کے ماننے والے تھے، یہودیوں کے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور اسی طرح ربی اور احبار بھی فیصلے دیتے تھے کیوں کہ انہوں نے کتاب اللہ (تورات) کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس کی صداقت کی گواہی بھی دیتے تھے۔

مگر انہوں نے اس میں ردو بدل کر کے اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ فرمایا:

يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ (۲۶)

(ان میں سے جو یہودی تھے) اُنہوں نے کلام اللہ کے لفظوں کو بدل دیا۔

اس کے برعکس قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ ذاتِ حق نے خود لیا۔ اس لئے وہ زمانے کے دست و برد سے محفوظ رہا۔ اس کے بارے میں ارشاد ہوا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۞ (۲۷)

بلا شبہ ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو اُتارا اور ہم ہی اُس کے محافظ ہیں۔

یہ قرآن مجید کا ایک منفرد وصف ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس کا یہ وصف روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نزول سے لے کر اب تک اس کا ایک ایک حرف بلا کم وکاست محفوظ ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ كِتَابِ رَبِّكَ‌ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِـكَلِمٰتِهٖ (۲۸)

اس کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرا امتیازی وصف اس کا بے مثل اور بے مثال ہونا ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب اس کے لفظی اور معنوی محاسن کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اس کے اُتارنے والے کا دعویٰ ہے کہ کوئی اس کی مثل اور نظیر نہیں لاسکتا۔ ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ۞ (۲۹)

کہہ دیجئے! (ایک شخص نے تو کیا کرنا ہے) اگر تمام جن وانس مل کر اس طرح کا قرآن بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ چاہے وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

اس کے علاوہ اُس کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ تضاد بیانی سے پاک ہے۔ اس میں مضامین اور کلمات کا حسین تکرار تو ہے لیکن پورے کلام میں تضاد کہیں نظر نہیں آتا۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (۳۰)

قرآن کے بارے میں یہ لوگ اس بات کا طرف دھیان کیوں نہیں دیتے کہ اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت تضاد پاتے۔

اس کی جامعیت بھی اس کا ایک بہت بڑا شرف ہے۔ وہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں پند و نصائح سے لے خانگی اور ملکی معاملات تک کے بارے میں رہ نمائی ملتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر کتب سماوی میں پند و نصائح اور تاریخی واقعات کے علاوہ کچھ نہیں۔ تورات میں اگر چہ حلت و حرمت، لین دین اور خانگی اُمور کے بارے میں احکام ملتے ہیں لیکن وہ ناکافی ہیں۔ ان سے مکمل رہنمائی نہیں ملتی۔ اس کے مقابلے میں قرآن ایک جامع کتاب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں مکمل رہ نمائی ملتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (۳۱)

اور ہم نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں ہر چیز کے بارے میں رہ نمائی اور وضاحت ملتی ہے۔

قرآن مجید کا ایک اور امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ عالم گیر کتاب ہے۔ وہ کسی خاص قبیلے یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں بل کہ اس کی رہ نمائی تمام عالم کے لئے ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو اس کو دیگر کتب سماوی میں ممتاز کرتا ہے۔ تورات اپنے وقت کی ایک عظیم کتاب تھی جس کی گواہی خود اس کے اُتارنے والے نے دی ہے:

وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتَابُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ (۳۲)

اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب (تورات) رہ نما کتاب تھی اور باعث رحمت تھی۔ لوگ اس کو مانتے تھے۔

مگر اس کی رہنمائی صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی۔ اس کے بھیجنے والے کی منشا بھی یہی تھی کہ بنی اسرائیل کو اس کے ذریعے راہِ راست پر لایا جائے۔ اس بارے میں ارشاد گرامی ہے:

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ وَجَعَلْنَاہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ ○ (۳۳)

اور ہم نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) عطا کی جو آل اسرائیل کے لئے رہ نمائی تھی۔

موجودہ محرف تورات بھی اس کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ تورات جو پانچ اسفار پر مشتمل ہے۔ اس میں جہاں بھی خطاب کیا گیا ہے بنی اسرائیل کو کیا گیا۔ یہی حال انجیل کا ہے، اس کے لانے والے نے خود

یہ واضح کر دیا تھا کہ اُن کے آنے کا مقصد بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ پر لگانا ہے۔

اس کے برعکس قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے بلا قید وقت و مکان، سامان ہدایت ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

كِتَابٌ اَنۡزَلۡنَاهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ (۳۴)

یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ ﷺ کی طرف اُتاری تا کہ وہ دنیائے انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔

ان گونا گوں اوصاف سے مزین کتاب کو یہ ایک بہت بڑا اشرف حاصل ہے کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ ہر زمانے میں اور دنیا کے ہر کونے میں رات دن پڑھی جانے والی صرف یہی ایک کتاب قرآن مجید ہے۔ اس کی تائید دورِ حاضر کے دانشور بھی کرتے ہیں۔ (۳۵)

فضل علم

علم بھی اللہ کی ایک عطا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، اپنے علم خاص سے اپنے برگزیدہ بندوں کو نوازتا ہے۔ اس علم خصوصی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی درجہ بندی فرماتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہے:

وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجَاتٍ (۳۶)

جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ کے ہاں ان کے ہاں درجے ہیں۔

سب اہل علم درجات میں مساوی نہیں بل کہ وہ ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ (۳۷)

اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔

علم کے حوالے سے تمام انبیا کرام اس انعام خداوندی سب سے زیادہ فیض یاب ہونے والی ہستیاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے جنہیں علم خاص سے نوازا گیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے بعد محسوس کیا کہ علم و معرفت میں اُن سے بھی کوئی بڑھ کر ہوسکتا ہے۔ اس بارے میں ارشادِ گرامی ہے:

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَا اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًاO قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًاO (۳۸)

ان کی ہمارے ایک بندے سے ملاقات ہوئی جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت سے نوازا

تھا اور اُسے اپنے پاس سے علم خاص عطا فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عرض کیا: ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تاکہ آپ مجھے بھی اس علم و دانش میں سے کچھ عطا فرمادیں جس سے آپ کو نوازا گیا ہے۔

خزینہ علم کی مالک تو اللہ رب العزت کی ذات گرامی ہے۔ وہ اپنے خزانے میں سے جسے چاہتا ہیں اور جتنا چاہتا ہے، بہ راہ راست یا کسی واسطے سے عطا فرمادیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی معرفت نوازش علم فرمائی۔ آپ ﷺ کو حضرت جبریل امین کے ذریعے اپنے خزینہ علم سے متعارف کرایا۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىO ذُوْ مِرَّةٍ (۳۹)

آپ ﷺ کو زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحب حکمت ہے۔

زبردست قوت والے صاحب حکمت سے مراد خود ذاتِ حق بھی ہوسکتی ہیں اور حضرت جبرئیل بھی۔ اگر ذاتِ حق مراد لیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو براہِ راست نعمت علم سے نوازا۔ اگر حضرت جبرئیل امین مراد لیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ علم کا اصل منبع تو ذاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ جبرئیل امین تو صرف پہنچانے کا ایک وسیلہ ہیں۔ ان کا عطائے علم میں اور کوئی حصہ نہیں۔ وہ ایک اچھا وسیلہ ہیں۔ ان ہی کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍO ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍO مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍO (۴۰)

درحقیقت یہ ایک بزرگ فرشتے کا بیان ہے جو زبردست قوت والا ہے۔ مالک عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اس کا حکم مانا جاتا ہے۔ وہاں وہ معتبر ہے

اس بزرگ اور زبردست قوت رکھنے والے فرشتے کے ذریعے، جس کی دیانت اور امانت میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم خاص تک رسائی عطا فرمائی۔ اس بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (۴۱)

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا فرمایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور یہ اللہ کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے۔

''عطائے علم'' کے ''فضل عظیم'' ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بل کہ ایک حقیقت ہے۔ اس لئے کہ ایک اُمی کو جو لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتا ہو۔ صاحب کتاب'' بنا دینا ایک معجزہ اور

کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟ رب تعالیٰ اپنے حبیب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِن كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (۴۲)

اور آپ (ﷺ) نے اس سے پہلے نہ تو کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

اس پڑھنے لکھنے سے عاری ذات والا صفات کو علم لدنی سے آشنا فرما کر صاحب کتاب بنا دیا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (۴۳)

کیا لوگوں کے لئے آپ (ﷺ) کے سچے ہونے کا یہ ثبوت کافی نہیں کہ ہم نے آپ (ﷺ) پر کتاب اُتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

فضل حکمت

حکمت، فہم و فراست، عقل مندی اور دانائی و دانش مندی کو کہتے ہیں۔ راغب الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

الحكمة اصابة الحق بالعلم و العقل فالحكمة من الله تعالىٰ معرفة الاشياء ايجادها على غاية الاحكام ومن الانسان معرفة الموجوداتِ و فعل الخيرات (۴۴)

فہم و فراست کے ساتھ حق بات دریافت کر لینا حکمت ہے۔ لہٰذا حکمت الٰہی کے معنی اشیا کی معرفت اور انتہائی احکام کے ساتھ ان کو معرض وجود میں لانا ہے جب کہ انسانی حکمت، موجودات کی معرفت اور اچھے کاموں کو سرانجام دینے کا نام ہے۔

حکمت اور علم میں فرق یہ ہے کہ علم میں کسی چیز کی معرفت بالواسطہ یا بلاواسطہ حاصل کی جاتی ہے جب کہ حکمت براہِ راست خداداد فہم و فراست کے ذریعے حق بات تک پہنچا جاتا ہے۔ یہ بھی علم کی طرح اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا (۴۵)

اور جس کو حکمت عطا ہو گئی تو اُسے بہت کچھ مل گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو زیورِ حکمت سے ضرور آراستہ کرتا ہے۔ انبیا کرام کو سب سے بڑھ کر

اس نعمتِ بے کراں سے نوازا گیا۔ جیسے اللہ کے نبی حضرت یحیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَاٰتَیْنَاهُ الْحُکْمَ صَبِیًّاO (۴۶)

اور ہم نے اُنہیں یعنی حضرت یحیٰ علیہ السلام کو لڑکپن میں ہی دانائی عطا فرمادی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ فرمایا:

وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنَاهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِO (۴۷)

اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اُنہیں حکمت عطا کی اور زبردست قوت فیصلہ سے نوازا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَO (۴۸)

اے عیسیٰ (علیہ السلام)! میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت سے روشناس کرایا۔

پھر اُنہوں نے اس نعمتِ خداوندی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

قَدْ جِئْتُکُم بِالْحِکْمَةِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُم بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ O (۴۹)

میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں جس کے بل بوتے پر میں تمہارے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہوں۔

حضرت لقمان علیہ السلام کو بھی اس نعمت الٰہی سے خاص حصہ عطا ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌO (۵۰)

اور ہم نے لقمان کو اس حکیمانہ بات سے آگاہ کیا کہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے جو اللہ کا شکر کرتا ہے اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو نہیں کرتا اس سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ وہ بے نیاز ذات ہے اور مستودہ اوصاف ہے۔

عطائے حکمت کے ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ذکر بھی آیا۔ فرمایا گیا:

فَقَدْ اٰتَیْنَا آلَ اِبْرَاهِیْمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنَاهُم مُّلْکًا عَظِیْمًاO (۵۱)

ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ اُنہیں بہت بڑی سلطنت سے بھی نوازا۔

امت مسلمہ کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرمایا گیا، جس کے بارے میں اُنہیں مخاطب کر کے یوں

فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ○ (۵۲)

اور اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا کہ اس نے تمہاری خیر خواہی کی خاطر تمہیں کتاب اور حکمت سے نوازا۔

یہ نعمت کتاب و حکمت اُنہیں بہ راہِ راست نہیں بل کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعے حاصل ہوئی۔ جس کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۵۳)

اہل ایمان پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اُنہیں میں سے ان کے اندر ایک رسول مبعوث فرمایا جو اُنہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور اُنہیں پاکیزہ کردار بناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حال آں کہ وہ اس سے پہلے وہ بالکل بے راہ تھے۔

کتاب الٰہی کے ساتھ جس حکمت سے آپ کو نوازا گیا۔ وہ خاص الخاص تھی۔ اس ارشادِ گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً (۵۴)

اور آپ (ﷺ) پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت اُتاری اور آپ کو وہ علم عطا کیا جس سے آپ قطعی طور پر آشنا نہ تھے اور یہ اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اس ''فضلِ عظیم'' سے آپ ﷺ کے گھر والے خاص طور پر مستفید ہوئے جس کے بارے میں ارشادِ گرامی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (۵۵)

اور یاد رکھو ان احکام خداوندی اور حکیمانہ باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

احکام خداوندی جنھیں آیات اللہ کہا گیا ہے، وہ دراصل وہ قرآن حکیم کی آیات ہیں جس کا ایک ایک

لفظ اور ایک ایک کلمہ حکمت و دانائی کی باتوں سے لبریز ہے۔ اس پر ذاتِ حق کی گواہی موجود ہے۔ فرماتے ہیں

الر تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ ○ (۵۶)

الف ل ر، یہ حکمت کی باتوں سے لبریز کتاب کی آیات ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حکمت وہ نعمت ایزدی ہے جس میں سے ہر انسان کو بہ قدر ظرف حصہ ملا ہے۔ انبیاء کو ایک وافر حصہ ملا مگر آپ ﷺ کو سب سے اعلیٰ اور سب سے بلند تر مقام عطا ہوا جسے حکمۃ بالغۃ سے تعبیر فرمایا گیا۔ ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ○ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ○ (۵۷)

اور ان لوگوں کے سامنے ایسے واقعات ماضی آ چکے ہیں جن میں سامان عبرت موجود ہے اور اس کے ساتھ چوٹی کی حکمت بھی مگر اُن پر یہ سب تنبیہات لا حاصل ہیں۔

حکمت بالغہ یعنی بلیغ حکمت وہ حکیمانہ باتیں جو سنتے ہی دل نشین ہو جائیں۔ آں حضرت کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتیں تھیں۔ چاہے وہ آیات قرآنی ہوں یا آپ ﷺ کے جامع کلمات (جوامع الکلم) ہوں۔ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اعطیت جوامع الکلم (۵۸)

مجھے اللہ کی طرف سے جامع کلمات عطا ہوئی ہو گئے۔

یہی وہ حکمتِ بالغہ تھی جس کی گواہی آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کا ایک ایک لفظ دے رہا ہے۔ آپ ﷺ کی شریعت اور آپ کی سیرت طیبہ جس کی روشن مثالیں ہیں۔ سیرت طیبہ کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو حکمت و فراست سے لبریز نہ ہو۔ اسی حکمت کے بل بوتے پر آپ ﷺ نے بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ برسر پیکار قبائل کو آپس میں شیر و شکر کر دیا۔ گنوار اور اجڈ صحرا نشینوں کو آداب سلطانی سے روشناس کر دیا۔ اُنہیں باعزت اور پُرسکون زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھا دیا۔ آپ ﷺ کے معاہدات، آپ ﷺ کے غزوات، آپ کی حکمت بالغہ کا ثبوت ہیں۔ مواخات مدینہ، میثاق مدینہ اور معاہدہ حدیبیہ آپ ﷺ کی حکیمانہ فکر کے شواہد ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ کو کتاب مبین کے ساتھ حکمت بالغہ عطا نہ کی جاتی تو دین و متین کا کام ادھورا رہ جاتا۔

عطائے کوثر

علم و حکمت کی طرح عطائے کوثر بھی اللہ کا آپ ﷺ پر بہت بڑا انعام ہے۔ جو لفظ کوثر ہی سے

عیاں ہے۔ جس انداز بیاں سے یہاں کوثر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ بہ جائے خود ایک بحرِ بے کراں ہے۔ اور بے بیاں ہے۔ اردو تو کیا دنیا کی کسی زبان میں ایک لفظ یا ایک جملے سے اس کا مفہوم کما حقہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔

کوثر مبالغہ کا صیغہ ہے جو ''فوعل'' کے وزن پر ہے۔ جیسے لفظ ''جوہر'' ہے جو ''جہر'' سے نکلا ہے۔ ''جہر'' کے معنی ظاہر اور عیاں ہونے کے ہوتے ہیں۔ جب اس سے اسم مبالغہ ''جوہر'' بنا تو اس کے معنی ہوئے وہ چیز جس میں صفت ظہور حد سے زیادہ ہو یعنی بہت عیاں ہو، اتنا عیاں کہ بس بے بیاں ہو۔ اسی طرح لفظ کوثر ہے جو ''کثر'' یا ''کثر'' یا ''کثرۃ'' کا مبالغہ ہے۔ جس کے معنی ثروت اور کثرت کے ہیں۔ یوں کوثر کے معنی ہوئے وہ چیز جو عدد اور کمیت میں سب سے زیادہ ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہ ہو۔ یہ صفت ہے جس کا موصوف موجود نہیں اس سے کثرت میں بہتات کے ساتھ عمومیت پیدا ہوگئی، یعنی صفت موہوم ہے جو چیز اچھی سے اچھی ذہن میں آ سکتی ہے وہی اس کا موصوف ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ آپ ﷺ کے ذی شان جو عطیات ہو سکتے ہیں وہ سب اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔ راغب اصفہانی نے بھی لفظ کوثر کی توضیح فرماتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ انا اعطیناك الكوثر. قیل هو عصر فی الجنة یتشعب عنه الاغفار وقیل بل هوا لخیر العظیم الذی اعطاء النبی ﷺ وقد یقال للرجل السخی کوثر (۵۹)

اللہ کے اس ارشادِ گرامی اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ میں لفظ ''کوثر'' کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنت کی ایک نہر کا نام ہے جس سے کئی نہریں پھوٹتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ''خیر کثیر'' ہے جو نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئی۔ (اسی لئے سخی آدمی کو عربی میں کوثر کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی توضیح فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اماالکوثر فهو فی الغة فوعل من الكثرت وهو المفرط فی الكثره. (۶۰)

جہاں تک لفظ ''کوثر'' کا تعلق ہے وہ لغوی طور پر ''فوعل'' کے وزن پر ہے کثرت سے کوثر بنا ہے۔ اس کے معنی وہ چیز ہے جو بہت ہی زیادہ ہو۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

المراد من الكوثر جمیع نعم الله تعالیٰ علیٰ محمد ﷺ منقول عن ابن عباس

رضی الله عنه لان لفظ الکوثر یتناول النعم الکثرة، فلیس حمل الآیة علی بعض هذه النعم اولی من حملها علی الباقی فوجب حملها علی الکل (۶۱)

کوثر سے مراد وہ تمام انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر فرمائے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ کیوں کہ لفظ کوثر بہت سے انعامات کا حامل ہے۔ اس لئے اسے کچھ انعامات پر محمول کرنا اور باقیوں کو چھوڑ دینا مناسب نہیں بل کہ اس کا تمام انعامات خداوندی پر اطلاق کرنا لازم ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ کوثر کی اسی طرح تصریح فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

والعرب تسمی کل شیء کثیر فی العدد والقدر والحظه کوثراً (۶۲)

ہر وہ چیز جو تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اہمیت میں زیادہ ہو عربی میں اسے کوثر کہا جاتا ہے

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ کوثر کی بڑی جامع توضیح فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

والاظهر ان جمیع نعیم الله داخلة فی الکوثر ظاهرة او باطنة ضمن الظاهرة خیرات الدنیا والآخرة ومن الباطنة العلوم اللدنیه الحاصلة بالفیض الالهی بغیر اکتساب. (۶۳)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوثر سے مراد تمام انعاماتِ خداوندی ہیں۔ چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ ظاہری نعمتیں، دنیا اور آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتیں علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

اب اس میں کوئی شک گنجائش نہیں کہ کوثر سے مراد جملہ انعاماتِ خداوندی ہیں جو ذات کبریا نے اپنے حبیب ﷺ پر فرمائے۔ وہ بے انت اور بے حساب ہیں۔ ان میں دنیوی بھی ہیں اور اخروی بھی، ذاتی بھی ہیں اور منصبی بھی، ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی۔ اس لئے کسی نے اگر کوثر سے آپ ﷺ کی رسالت مراد لی ہے تو بھی درست ہے اور اگر کسی نے اس سے علم و حکمت مراد لی ہے تو بھی روا ہے۔ اور اگر کسی نے آپ ﷺ کی شانِ رفعت کو کوثر کا مدعا قرار دیا ہے تو بھی غلط نہیں۔ اگر کسی نے کوثر کے معنی آپ کے گوناگوں اوصاف اور شمائل مراد لئے ہیں تو بھی درست ہے۔ اگر کسی کے خیال میں کوثر آپ ﷺ کی شان رفعت ہے یا آپ ﷺ کا نور قلبی ہے تو اسے بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کسی نے اس سے آخرت کے ملنے والے انعامات مراد لئے ہیں تو بھی بجا ہے۔ یہ کہ کوثر کا اشارہ اس ذی شان مقام کی طرف ہے جسے ''مقام محمود'' کا نام دیا گیا ہے۔ یا یہ کہ کوثر، حوض کوثر ہے جو آپ ﷺ کو میدان محشر میں بہ طور خاص عطا ہوگا۔ جس

سے آپ ﷺ اپنی امت کے پیاسوں کو پانی پلائیں گے۔ یا یہ کہ نہر کوثر ہے جو جنت کی ایک خاص نہر کا نام ہے جس سے کئی نہری پھوٹتی ہیں ان میں سے دو نہریں حوض کوثر پر آ کر ختم ہوں گی۔ حدیث میں ہے:

هفته فيه عميزبان يمدان من الجنة (٦٤)

اس میں جنت سے دو نالیاں لا کر ڈالی جائیں گی۔

نہر کوثر کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں:

الكوثر نهر في الحنة حافتاه من ذهب و مجراه على الدر والياقوت، تربته اطيب من المسك وماء ه احلى من العسل وابيض من الثلج (٦٥)

کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور اس کا فرش موتیوں اور یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ اس کی مٹی مشک و کستوری سے زیادہ خوش بودار ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں عطا کی ہے۔ اس کی مٹی مشک ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ (٦٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان محشر میں جو حوض آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا اس کا پانی نہر کوثر سے لایا جائے گا۔ اور جنت کی نہر کوثر سے ایک نہر اس حوض کی طرف کھول دی جائے گی۔ (٦٧)

اس پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ میدان محشر میں موجود اس حوض کو حوض کوثر کا نام نہر کوثر سے تعلق کی وجہ سے دیا گیا ہے کیوں کہ روایات کے مطابق اس کا اپنا پانی نہیں ہوگا بل کہ نہر کوثر کے پانی سے اسے بھرا جائے گا۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے حوض کوثر کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک نہیں دو نہیں تین نہیں چار نہیں پانچ نہیں بار بار سنا ہے جو اس کو جھٹلائے خدا اسے اس کا پانی پینا نصیب نہ کرے۔ نہر کوثر ہو یا حوض کوثر سب فیضان نبوت کے کرشمے ہیں۔ ان کا تعلق آخرت سے ہے اور نبوت بیضاء کے وہ سب فیوضات و برکات جن کا تعلق آخرت سے نہیں دنیا سے ہے، وہ بھی منبع کوثر کے سرچشمے ہیں۔ جن سے عالم انسانیت سیراب ہو رہی ہے۔ انہی اخروی اور دنیوی انعامات حق کو آپ ﷺ نے خزائن دنیا اور آخرت کا نام دیا۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

قد اوتیت بمفاتیح خزائن الدنیا والخلد (۶۸)

مجھے دنیا کے اور جنت کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

وہ دنیا و آخرت کے غیبی خزانے آپ ﷺ کے طفیل مل رہے ہیں۔ اس لئے فرمایا: واللہ المعطی وانا القاسم اللہ مجھے جو کچھ عطا کرتا ہے میں بانٹ دیتا ہوں۔

عطائے مرضی

اللہ نے آپ ﷺ کو بہت کچھ عطا فرمایا اتنا کہ کوئی اس کے حدوحساب کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اس کا وعدہ رب کریم نے ان الفاظ رحیمانہ کے ساتھ فرمایا۔ ارشاد ہوا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (۶۹)

اور بہت جلد آپ ﷺ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ نہال ہو جائیں گے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی اتنی جامع توضیح کی ہے کہ دریا کوزے میں بند ہو گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

دلت هذه الاية على انه تعالىٰ يعطيه كل مايرتضيه (۷۰)

اس آیت کریمہ (الضحیٰ: ۵) سے عیاں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہر اس نعمت سے نوازنا چاہتے ہیں جس کی آپ ﷺ آرزو کریں گے۔

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فکر انگیز انداز میں اس آیت کریمہ کے حوالے سے رسالت مآب پر کئے جانے والے انعامات کریمانہ کا بڑی خوب صورتی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

هو عدة كريمة شاملة لما اعطاء الله تعالىٰ فى الدنيا من كمال النفس وعلوم الاوّلين والآخرين و ظهور الامر و اعلاء الدين بالفتوح و الواقعة فى عصره ﷺ وفى ايام خلفائه عليه الصلواة والسلام وغيرهم من الملوك الاسلامية و نشرالدعوة والاسلام فى مشارق الارض ومغاربها ولما ادخر جل وعلالهٗ عليه الصلاة والسلام فى الآخرة من الكرامات التى لايعلمها الا هو جل جلالهٗ وعم نوالهٗ (۷۱)

یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کے بارے میں ہے جن سے آپ ﷺ کو دنیا میں سرفراز فرمایا گیا۔ جیسے طبع کمال اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی

سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت مآب میں ہوئیں اور آپ ﷺ کے خلفا کے عہد میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں ہوئیں، دعوت دین کا دنیا کے اطراف میں پھیل جانا اور وہ اخروی عنایات جو اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کے لئے محفوظ رکھے ہوئے ہیں جن کی شرف و منزلت کا علم صرف ذات حق کو ہے جس کا جلال سا تا نہیں اور عنایات کا کوئی حد و حساب نہیں۔

ذات حق کا یہ وعدہ بہت ہی خوب ہے۔ چاہتے تو ان عنایات کا تذکرہ فرما دیتے لیکن اسے اخفا میں رکھا گیا۔ فرما دیتے تو تحدید ہو جاتی، یوں انعام عام کا یہ تاثر نہ ملتا کہ رب تعالیٰ آپ ﷺ بڑے مہربان ہیں، وہ آپ ﷺ پر اپنی عطا و بخشش کی اور اپنے لطف و کرم کی وہ بارش برسائیں گے کہ آپ دیکھتے ہی رہ جائیں گے آپ رضا بہ رضا تو تھے ہی۔ رب تعالیٰ کچھ نہ دیتے تب بھی آپ اللہ کی رضا پر راضی رہتے۔ آپ ﷺ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، ظلم کی آندھیاں چلیں، آپ ﷺ نڈھال بھی ہوئے، زخموں سے چور بھی ہوئے لیکن کبھی زبان پر کلمہ شکایات نہ لائے۔ اب رب تعالیٰ آپ ﷺ کو بن مانگے دے رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ ہماری عطا سے خوش ہو جائیں گے۔ خوش تو آپ ہر حال میں رہتے تھے۔ اس خوشی سے جس چیز کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اتنی کثرت سے نوازشات ہوں گی کہ آپ ﷺ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گی۔ آپ کی تمنا و آرزو سے بھی بڑھ کر۔

اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ نے جن کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمایا، اس کے بارے میں آپ ﷺ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایک بے کس و بے سہارا انسان جسے غربت و افلاس نے گھیر رکھا ہو جس کی آواز حق کو کوئی سننے کے لئے تیار نہ ہو۔ وہاں اُسے وہ کامیابی و کامرانی حاصل ہو کہ دنیا میں اس کا آوازہ گونجنے لگے، دین حق کا بول بالا ہو جائے، دشمنوں کے عزائم خاک میں مل جائیں، عزت و شرف کی چوٹیوں تک رسائی ہو جائے، دنیا کے خزانے قدموں میں آ پڑیں۔ سچ فرمایا ذات حق نے:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ○ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ○ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ○ (۷۲)

کیا اس نے تمہیں یتیم پایا تو ٹھکانا نہ دیا۔ تجھے جویائے راہ پایا تو راہ نہ دکھائی، تجھے نادار پایا تو غنی نہیں کیا۔

اکمال دین

اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر یہ ایک بہت بڑا انعام ہے کہ آپ کو ہر لحاظ سے ایک کامل و مکمل دین عطا

فرمایا گیا۔ جو ایک جامع ضابطۂ حیات ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے لئے اُس سے رہنمائی نہ ملتی ہو۔ وہ نوعِ انسانی کے لئے ایک کافی و وافی ہدایت ہے۔ اس کے نعمت الٰہی ہونے میں شک نہیں۔ جس کی خود ذات حق نے گواہی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (۷۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہیں اپنا انعام پورا پورا دے دیا۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔

دین ایک نظامِ زندگی کا نام ہے جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے تابع ہوتا ہے۔ دین کے لغوی معنی ہی اطاعت کے ہیں۔ اطاعتِ شریعت ہی دین ہے جیسے امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح فرمائی ہے:

الدین یقال للطاعة والجزاء واستعیر للشریعة والدین کاملة لکنه اعتبارا بالطاعة والانقیاد للشریعة (۷۴)

دین اطاعت اور جزا کو کہا جاتا ہے۔ مجازاً شریعت کو بھی دین کہہ دیتے ہیں۔ دین لفظ ملت کی طرح ہے لیکن شریعت کی طاعت اور فرماں برداری کے لحاظ سے اُسے دین کہا جاتا ہے۔

دین، اطاعتِ خداوندی کا نام ہے۔ یہی مفہوم لفظ اسلام کا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دے دینا اور اُسے مالک و معبود تسلیم کر لینا اسلام ہے۔ اس لئے دین کو اسلام فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۷۵)

دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے یعنی دین کہلانے کا مستحق صرف اسلام ہے۔

دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْناً مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۷۶)

اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا یا درست رکھا۔

دین اسلام، دیگر مذاہب کی طرح پوجا پاٹ کا نام نہیں بل کہ وہ ایک ضابطۂ حیات اور مکمل نظامِ تہذیب و تمدن ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہے۔ وہ ہر طرح سے کامل مکمل ہے۔ انسانی زندگی سے متعلق کسی طرح کی بھی رہنمائی مطلوب ہو، وہ دینِ حق میں باتمام و اکمال ملے

گی۔ ایسی صورت میں دین نوع انسانی کے لئے ایک نعمت بیش بہا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ انسان کے زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی اسے عطا ہوا۔ ہر نبی کی زبان پر اسلام ہی کا پیغام تھا۔ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں جسے اس نعمت سے سرفراز نہ کیا گیا ہو لیکن اس نعمت کی تکمیل، نبی آخر الزماں کے عہد میں ہوئی۔ یعنی دین اسلام، ایک نعمت خداوندی ہے، جس کو کامل اور مکمل صورت میں عطا فرمایا گیا۔

اہل کتاب کو بھی یہ نعمت عطا ہوئی تھی لیکن اُنہوں نے کفرانِ نعمت کرتے ہوئے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ وہ اصل صورت میں نہ رہا۔ اسی کے بارے میں اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۷۷)

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، غلو نہ کرو۔

آپ ﷺ کو جس دین حق سے نوازا گیا وہ اس طرح کے غلو سے پاک اور محفوظ صورت میں تھا۔ وہ افراط و تفریط سے مبرا تھا۔ خلوص اور سچائی سے آراستہ تھا۔ جس کی بنا پر تمام ادیان اس کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ اسی کے بارے میں فرمایا گیا:

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۷۸)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ وہ تمام ادیان (باطلہ) پر غالب آجائے۔ چاہے مشرکوں کو یہ بات اچھی نہ بھی لگے۔

غلبہ دین کے بعد تمام ادیان مردود اور مسترد کر دیئے گئے۔ کھلے لفظوں میں فرما دیا گیا:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (۷۹)

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا، اُسے رد کر دیا جائے گا۔

یہ ادیان باطلہ کے تابوت پر آخری کیل اور یہی ہے وہ نعمت جس کا نام اکمالِ دین اور اتمام نعمت ہے۔

اتمام نبوت

جس طرح آپ ﷺ کو دین کامل کی نعمت سے نوازا گیا، اسی طرح نبوت تامہ کی نعمت سے بھی آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ نبوت اور رسالت بجائے خود اللہ کا بہت بڑا انعام ہے وہ جس کو چاہتا ہے

اس سے نوازتا ہے۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ ہر زمانے میں نبی اور رسول آتے رہے۔ لوگوں کو دین حق سے آگاہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ درجہ کمال تک پہنچ گیا۔ اور آپ ﷺ تک آ کر رک گیا۔ اس طرح کہ نبوت و رسالت کے تمام تقاضوں کی تکمیل ہوگئی۔ گویا ایک نعمت خداوندی اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ذات اقدس پر آ کر تمام ہوگئی اور اختتام نبوت کی مہر ثبت ہوگئی۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا○ (۸۰)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بل کہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ایک ایک بات سے باخبر ہے۔

آپ ﷺ نے اس حکم ربانی کی اپنے واشگاف الفاظ میں اس طرح توضیح فرما دی کہ:

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (۸۱)

اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔

آپ ﷺ نے نعمت نبوت کے اتمام کو ایک خوب صورت تشبیہ کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہٗ واجملہٗ الا موضع لبنۃ من زاویۃ، فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہٗ ویقولون وھل لا وضعت ھذہ اللبنۃ؟ قال: فانا اللبنۃ، وانا خاتم النبیین (۸۲)

بلاشبہ میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک خوب صورت عمارت تعمیر کی اور اسے خوب سجایا۔ مگر اس کے کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کی زیارت کے لئے آنے لگے اور اس کی خوب صورتی کی داد دینے لگے اور یہ پوچھتے کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑ دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ وہ عمارت، نبوت و رسالت کی عمارت ہے) وہ اینٹ جس کے لئے جگہ چھوڑ دی گئی ہے، میں ہوں۔ میں سلسلۂ نبوت کا اختتام کرنے والا ہوں۔

ایک اور ارشادِ گرامی میں اسی مضمون کو کسی دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحی بی الکفر وانا حاشر الذی

یحشر الناس علی عقبی، وانا العاقب الذی لیس بعدهٗ نبی. (۸۳)

انبیائے بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

کانت بنو اسرائیل الانبیاء، کلما هلك نبی خلفهٗ نبی وانهٗ لانبی بعدی، وسیکون خلفاء فیکثرون (۸۴)

بنی اسرائیل کی سیادت انبیاء کرام کرتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی اس دارفانی سے رخصت ہوتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا۔ میں بھی نبی ہوں میرے بعد یقینی طور پر کوئی نبی نہیں البتہ میرے جانشین ضرور ہوں گے جو بہت ہوں گے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر زائرین کعبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لانبی بعدی ولا امة بعدکم (۸۵)

میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خرج علینا رسول الله ﷺ یوما کالمودع فقال انا محمد النبی الامی قاله ثلاث مرات ولانبی بعدی (۸۶)

ایک روز آں حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس روز ایسے لگتا تھا جیسے آپ ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں۔ ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں محمد امی نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

نبوت تمام ہوئی اس کے ساتھ ایک نعمت کبریٰ اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ تمام ہوئی۔

بعثت عامہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے آپ ﷺ کو اتمام نبوت کا شرف بخشا، اسی طرح سے آپ کو اس اعزاز سے سرفراز فرمایا کہ آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کو عام فرما دیا۔ آپ کو بلا امتیاز رنگ ونسل پوری دنیائے انسانیت کے لئے نبی اور رسول بنا دیا۔ اور یہ اعلان فرما دیا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۸۷)

اور ہم نے آپ ﷺ کو پوری نوع انسانیت کے لئے ہی خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ ہر زمانے میں نبی آتے رہے۔ راہِ حق کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی زمانے میں کئی نبی مبعوث ہوگئے۔ جو اپنے اپنے علاقے میں اللہ کے دین کو پھیلاتے رہے اور دعوت حق دیتے رہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے بھتیجے حضرط لوط علیہ السلام ایک ہی زمانے میں موجود تھے جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں اور حضرت لوط علیہ السلام شہر سدوم میں توحید کا پرچار کرتے تھے۔ ہر قوم اور ہر علاقے کے لئے جدا جدا نبی اور رسول ہوتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ○(۸۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ خبردار کرنے والے ہیں) اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی راہبر رہا ہے۔

عاد اور ثمود دو زبردست قومیں تھیں۔ ان کی طرف الگ الگ نبی مبعوث ہوئے۔ قوم عاد کی طرف ھود علیہ السلام کو اور قوم ثمود کی طرف صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (۸۹)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا (۹۰)

اسی طرح تمام انبیاء اپنے اپنے علاقے میں اپنی قوم کو دعوت حق سناتے رہے۔ ماننے والوں کو خوش خبریاں دیتے رہے اور نہ ماننے والوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈراتے رہے۔ ان پر صحائف بھی اُترتے رہے۔ جن میں پیغام حق ہوتا تھا لیکن آپ ﷺ کو جب مبعوث فرمایا گیا تو آپ کو ایک جامع کتاب دے کر پوری نوع انسانیت کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ کسی خاص زمانے یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں۔ کسی خاص علاقے کے مکینوں کے لئے نہیں۔ کسی خاص زبان بولنے والوں کے لئے نہیں بل کہ تمام اقوام عالم کے لئے اور پوری کائنات کے لئے ہادی و راہبر بنا کر بھیجا گیا۔ ارشادِ گرامی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (۹۱)

بڑی برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر بڑی خوبی کے ساتھ فرقان (یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب) نازل فرمائی تاکہ وہ ہمارا خاص بندہ جہانوں کے لئے خبردار کرنے والا ہو جائے۔

''عالمین'' میں جہاں تمام طبقات انسانی آتے ہیں وہاں جنات اور دیگر مخلوقات بھی شامل ہیں۔ یہ

ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی کو عطا ہوا۔ آپ تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں:

کان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة وفی روایة الی الناس کافة (۹۲)

رنگ ونسل کے امتیازات کے بغیر۔ قیامت تک آنے والی تمام نسلوں اور قوموں کے لئے آپ ﷺ ہی کی نبوت اور رسالت مشعل راہ ہے۔ فرمایا:

کان کل نبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی کل احمر و اسود (۹۳)

ہر نبی کسی خاص قوم کے لئے مبعوث کیا جاتا تھا مگر جب کہ مجھے تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کیا سرخ کیا سیاہ سب کے لئے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ارسلت الی الخلق کافة (۹۴)

مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہوگا کہ آپ ﷺ کی رسالت ونبوت صرف انسانوں کے لئے نہیں بل کہ دوسری مخلوقات کے لئے بھی سامان رشد وہدایت ہے اور قیامت تک آنے والے تمام بنی نوع انسانوں کے لئے بلاتفریق ورنگ ونسل واحد ذریعہ نجات ہے۔ یہ ایک بہت بڑا شرف ہے جو صرف آپ کی ذات گرامی کو نصیب ہوا۔

شرف حسب ونسب

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ شرف بھی عطا فرمایا ہے کہ حسب ونسب کے اعتبار سے آپ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ رب جنہیں اپنے حسب ونسب پر بڑا فخر تھا وہ اپنے علاوہ سب کو ہیچ خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کے بہترین قبیلے اور خاندان میں آپ کو پیدا فرما کر انہیں یہ باور کرادیا کہ ہمارے نبی کسی سے خاندانی طور پر کم نہیں۔ کوئی انہیں بھولے سے بھی اپنے سے کم تر نہ سمجھے۔ اس لئے یہ واضح فرمادیا گیا:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (۹۵)

بلاشبہ تمہارے پاس عظیم الشان رسول تشریف لاچکے ہیں جو تمہیں میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس ارشادِ گرامی کے مخاطب عرب ہیں۔ ان پر رب تعالیٰ اپنا یہ احسان جتلا رہے ہیں کہ ہم ایسے عظیم الشان رسول کو کسی اور قوم میں سے بھی پیدا کر سکتے تھے پھر وہ اس شرف سے محروم رہتے۔ بے شک وہ رسول عربی ہیں۔ عربی بھی ایسے ہیں کہ خاندانی طور پر تمام عرب ایک طرف اور وہ ایک طرف۔ جیسے ''حجر اسود'' بھی پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے مگر شرف وفضیلت کے اعتبار سے تمام پتھروں سے بالاتر ہے۔ شرف وعزت میں دنیا کا کوئی پتھر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے اسے اپنے گھر کے لئے چن لیا اور اس کے چھونے کو باعث اجر وثواب قرار دے دیا۔

اسی طرح سے آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ اُن کے لئے جس خاندان کا انتخاب فرمایا وہ سب خاندانوں سے افضل اور جس قبیلے سے آپ ﷺ کو منتخب فرمایا وہ عربوں کے تمام قبائل سے بڑھ کر باعزت تھا۔ آں حضرت ﷺ کا ایک ارشادِ گرامی بھی اسی مضمون کا حامل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل و اصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانہ واصطفی من بنی کنانہ قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم و اصطفی من بنی ھاشم (۹۶)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو اور اولاد کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے شرف انتخاب سے سرفراز فرمایا۔

ایک اور ارشادِ گرامی ہے۔ فرمایا:

ان اللہ خلق الخلق فجعلنی من خیر فریقھم وخیر فریقین ثم تخیر القبائل فجعلنی من خیر قبیلہ ثم تخیر البیوت فجعلنی من خیر بیوتھم فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیوتا. (۹۷)

اللہ نے مخلوق پیدا فرمائی۔ اُن کی کئی شاخیں بنائیں۔ مجھے اُن میں رکھا جو سب سے بہتر تھی۔ پھر ان شاخوں کے قبیلے بنائے۔ مجھے اس قبیلے میں رکھا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ پھر قبیلوں میں سے خاندان اور گھر بنائے۔ مجھے اس گھرانے میں رکھا جو سب سے بہتر تھا۔

یہ سب باتیں گو آپ کے ذاتی شرف سے متعلق ہیں لیکن اس کے فضل الٰہی ہونے میں شک نہیں۔ ''المزمل'' کی طرح ''المدثر'' کے لقب کو بھی بڑے ذی شان انداز میں لایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ○

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○ (۹۹)

اے چادر لپٹے ہوئے! اُٹھے اور رب کی پکڑ سے لوگوں کو ڈرائیے۔ اور اپنے کپڑے پاکیزہ رکھئے۔ ناپاکی قریب نہ بھٹکنے دیجئے۔ زیادہ حاصل کرنے کے لئے کسی کو زیر بار نہ کیجئے۔ اور اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر پابت قدم رہئے۔

''المزمل'' اور ''المدثر'' کی طرح ''الرسول'' ''النبی'' کے ذی وقار القابات سے بھی آپ کو یاد فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فرمایا:

يَاَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ (۱۰۰)

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے اُسے من وعن پہنچا دیجئے۔

• آپ ﷺ کے علاوہ کسی رسول کو اس طرح سے خطاب نہیں فرمایا گیا۔ ہاں اجتماعی طور پر تمام رسولوں کو ضرور خطاب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شان وعظمت میں تمام انبیاء و رسل ایک طرف اور آپ کی ذاتِ گرامی ایک طرف۔ ارشاد گرامی اس طرح سے ہے:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً (۱۰۱)

اے رسولو! پاک چیزیں کھانے میں لاؤ اور نیکی کے کاموں کو اپناؤ۔

لفظ الرسول میں بھی ایک شان ہے۔ معاندین کی جب اس پر نظر نہ گئی تو اُنہیں اس طرح سے باور کرایا گیا۔ ارشاد ہوا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (۱۰۲)

محمد ﷺ رسول ہی ہیں۔

یعنی رسول ہی ہیں لیکن ذی شان اور ذی عظمت۔ جن کی شان وعظمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح آپ کو ''النبی'' کے لقب سے خطاب فرمایا۔ ارشاد گرامی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (۱۰۳)

اے نبی! تمہارے لئے اور تمہارے پیروکاروں کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔

یہ لفظ ''نبی'' نہیں ''نبیٔ'' ہے۔ نبی، نباء سے مشتق ہے معنی خبر دینے والا ہے، جب کہ لفظ ''نبیٔ''،

نبوۃ سے نکلا ہے جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ''نبی'' کے معنی بلند قدر اور صاحب منزلت کے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے درمیان ایک لطیف سا فرق ہے مگر خوب ہے۔ اس فرق کو امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال بعض العلماء هو من ای رفعة وسمی نبیا لرفعة محله عن سائرالناس المدلول علیه بقوله ورفعناه مکانا علیا فالنبی بغیرالهمزه ابلغ من النبی بالهمزة لانه لیس کل منبا رفیع القدر والمحل ولذلك قال علیه السلام لمن قال. یا نبی الله فقال لست بنبی الله ولکن نبی الله لما رای ان الرجل خاطبه بالهزة لبغض منه والنبوة والنباوة الارتفاع.(به ذیل ماده)(۱۰۴)

بعض علماء کہتے ہیں کہ لفظ ''النبی'' نبوت سے ہے۔ جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہوتے ہیں۔ نبی کو یہ نام اس کی رفعت منزلت کی وجہ سے دیا جاتا ہے کیوں کہ وہ تمام لوگوں سے بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے عیاں ہے۔ فرمایا: **ورفعناه مکانا علیا** ہم نے اسے اونچے مقام و مرتبے تک اٹھایا''۔ لفظ ''نبی'' (بغیر ہمزہ کے) لفظ ''نبیٔ'' (ہمزے والے سے) سے زیادہ بلیغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار جب کسی مخاطب نے آپ کو ''نبیٔ اللہ'' کہا تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا میں ''نبیٔ اللہ'' نہیں ''نبی اللہ'' ہوں۔ آپ نے یہ اصلاح اس لئے فرمائی کہ وہ شخص جس نے آپ ﷺ کو ''نبیٔ اللہ'' کہہ کر پکارا تھا دل میں آپ ﷺ کے لئے بغض و عداوت رکھتا تھا۔ بہر حال نبوۃ اور نباوۃ جس سے لفظ ''نبیٔ'' بنا ہے۔ اس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں۔

آپ ﷺ کا لقب نبی نہیں ''النبی'' (The Prophet) ہے۔ معرف باللام ہونے کے بعد اس میں معنوی رفعت بہ درجہ کمال ہو جاتی ہے۔ جیسے ''الحمد للہ'' میں ہے۔

شرف القابات

تمام انبیاء اللہ کے برگزیدہ بندے تھے جن پر ذات حق نے خصوصی انعامات فرمائے، جس کا اشارہ اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔ فرمایا:

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ (۱۰۵)

یہ (پیغمبر) وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات فرمائے۔ اولاد آدم میں سے۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ان کے کسی نہ کسی وصف یا دفرمایا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو اُنہیں اپنا ''خلیل'' بتایا۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلاً (۱۰۶)

اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست یعنی خلیل بنایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو اُنہیں باوفا رسول اور نبی کے القابات سے نوازا۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلاً نَّبِيًّا (۱۰۷)

اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ وعدے کے سچے اور اللہ کے فرستادہ نبی تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو اُنہیں ''صدیق نبی'' کے لقب سے یاد فرمایا۔ ارشاد گرامی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقاً نَّبِيًّا (۱۰۸)

اور کتاب میں ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر کرو وہ بڑے سچے اور راست گو نبی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر آیا تو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْماً (۱۰۹)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہوا تو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (۱۱۰)

حضرت مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ تھے جو اس نے مریم پر القا کیا اور وہ اللہ کی روح تھے۔

القابات سے مراد القابات حسنہ ہیں۔ القابات، لقب کی جمع ہے اس نام کو کہتے ہیں جو کسی وصف خاص کے مناسبت سے دیا جائے۔ وہ اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی۔ یہاں القابات سے مراد اچھے نام ہیں۔

یہ تمام القابات سچے اور شک و شبہ سے بالاتر ہیں لیکن کلام اللہ میں کسی جگہ انبیا کرام کو ان توصیفی ناموں سے نہیں پکارا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ ہیں مگر ذات حق نے اُنہیں کبھی کلیم اللہ کہہ کر نہیں پکارا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام، روح اللہ ہیں لیکن اُنہیں کبھی روح اللہ سے یاد نہیں فرمایا

گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، خلیل اللہ ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں لیکن کبھی بھی کسی جگہ ذات حق نے اُنہیں ان صفاتی ناموں سے نہیں پکارا۔ اُنہیں جب پکارا گیا ان کے اصلی اور ذاتی ناموں سے پکارا گیا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یاد فرمایا گیا تو یوں ارشاد ہوا:

یَا مُوسٰیO اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (۱۱۱)

اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں۔ اپنے جوتے اُتار دیں کہ تو پاکیزہ وادی میں قدم رنجا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب یاد فرمایا گیا تو ''روح اللہ'' اور ''کلمۃ اللہ'' کی بجائے ان کے ذاتی نام ''عیسیٰ'' سے پکارا گیا۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ (۱۱۲)

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم! تم میرے احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے۔

اس کے برعکس آں حضور ﷺ کو جب بھی ذات حق نے مخاطب فرمایا تو آپ کے ذاتی ناموں ''احمد'' اور ''محمد'' سے خطاب نہیں فرمایا۔ بل کہ آپ کے صفاتی ناموں سے آپ کو پکارا جو دراصل آپ کے شمائل اوصاف کے عنوانات ہیں، جن سے ذات حق نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔ جیسے ''مدثر'' اور ''مزمل'' کے القاب ہیں جو تعظیم وتکریم کے ساتھ ساتھ اس محبت والفت کے بھی ترجمان ہیں جو ذاتِ حق کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا ہوئی، کس پیارے انداز میں آپ کو خطاب فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً O نِصْفَهٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً O اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً (۱۱۳)

اے چادر میں لپٹے ہوئے۔ رات کو قیام کرو مگر تھوڑا سا۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دیجئے یا کچھ زیادہ کر لیجئے۔ قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجئے۔

''النبی'' اور ''الرسول'' کے عظیم القابات کے علاوہ اور بہت سے القابات ہیں جن سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ صرف ایک آیت کریمہ میں پانچ القابات مذکور ہیں۔ اتنے القابات کسی بھی نبی اور رسول کو عطا نہیں فرمائے گئے۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا O وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِیْرًا O (۱۱۴)

اے نبی! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا، خبردار کرنے والا، اللہ کے حکم سے راہ حق کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن بنا کر بھیجا۔

یہ پانچ القابات ہیں۔ ان میں پہلا ''شاہد'' گواہ کو کہتے ہیں۔ آں حضرت ﷺ کو یہ لقب اس لئے عطا ہوا کہ آپ ﷺ نے مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی حق کی گواہی دی۔ خدا کی ہستی اور اس کی وحدت، ملائکہ کا وجود حیات بعد الممات اور جنت و دوزخ کے ظہور کی ببانگ دہل گواہی دی۔

پھر اس مضمون میں ''شاہد'' ہیں کہ آپ ﷺ نے راہِ حق پر گام زن ہو کر اور اپنی عملی زندگی سے اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اُسے دل و جان سے عزیز تر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔

تیسرے اس لئے بھی آپ ﷺ شاہد اور گواہ ہیں کہ روزِ محشر جب اللہ کی کچہری لگے گی تو آپ ﷺ بہ طور گواہ کے پیش ہوں گے اور آپ کی گواہی کو معتبر اور قابل قبول سمجھا جائے گا۔ آپ کی گواہی اہل ایمان کے حق میں اور اہل کفر کے خلاف ہوگی۔ یہ بھی ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ جو آپ ﷺ کو اخروی زندگی میں عطا ہوگا۔

شاہد کی طرح ''مبشر'' اور ''نذیر'' بھی جلیل القدر القابات ہیں۔ یہ دونوں القابات نبوت کے حوالے سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک نبی کی حیثیت سے یہ ذمے داری سونپی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو جو دعوتِ حق پر لبیک کہیں اُنہیں انعامات اخروی کی خوش خبری سنائیں اور جو نہ مانیں اُنہیں اللہ کی گرفت سے ڈرائیں۔

چوتھا لقب جس سے آپ ﷺ کو یاد فرمایا گیا ہے وہ ''داعیا الی اللہ'' ہے یعنی راہِ حق کی طرف بلانے والا۔ یہاں صرف ''داعا الی اللہ'' نہیں ''باذنہ'' بھی ساتھ ہے یعنی آپ ﷺ کو یہ ذمے داری، ذاتِ حق کی طرف سے سونپی گئی ہے۔ آپ ﷺ از خود ''داعی'' نہیں بن گئے۔ داعی اور ''داعی اللہ باذنہ'' میں فرق ہے۔ اوّل الذکر کو وہ شرف حاصل نہیں جو مؤخر الذکر کو ہے۔ کیوں ''باذنہ'' ذات باری تعالیٰ کی طرف سے توثیق (Authentication) اور اذن (Sanction) موجود ہے۔ جو ایک بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے۔

پانچواں لقب جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے وہ ''سراجا منیرا'' ہے۔ جس کے معنی چراغ روشن کے ہیں یعنی آپ ﷺ کی ذات گرامی جویائے حق کے لئے مشعل راہ ہے۔ کفر کے تیرہ تار اندھیروں میں آفتاب نبوت کی تابناکی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اشارہ اسی جانب ہے۔

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۱۱۵)

وہ اُنہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال اور حق کے اُجالے کی طرف لے آتا ہے

اس لئے آپ کو ''سراج منیر'' کے لقب سے نوازا گیا ہے کہ ذاتِ حق نے آپ ﷺ کو یہ منصب سونپا۔

ان القابات عظیمہ میں ''رؤف'' اور ''رحیم'' کے القابات قابل ذکر ہیں۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ (۱۱۶)

تمہارے پاس رسول تشریف لائے ہیں جو خود تمہیں میں سے ہیں۔ بڑے رحم دل ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف ہو تو ان پر بڑی شاق گزرتی ہے۔ اُنہیں تمہاری خیر خواہی کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ مؤمنوں پر وہ بے حد ترس کھانے والا اور نہایت مہربان ہیں۔

آپ ﷺ کی خوئے رحمت و شفقت کے پیش نظر آپ ﷺ کو ''رؤف رحیم'' کا خطاب عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ رحمت و شفقت اتنی بے کراں ہے کہ ذات حق نے اس کے لئے سب سے بڑھ کر رحمۃ للعالمین کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ رفعت لقب اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۱۱۷)

اور ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ یعنی آپ کائنات کے لئے رحمتِ مجسم ہیں۔

اس کے مقابلے میں جب انبیائے کرام کا ذکر کیا تو فرمایا:

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ O وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ O (۱۱۸)

اسماعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، ذوالکفل سب صاحب استقامت لوگ تھے اس لئے ہم نے اُنہیں اپنی رحمت میں لے لیا۔

انبیائے کرام کے لئے دخول رحمت کی نوید اور آپ ﷺ کے لئے رحمت مجسم ہونے کا مژدہ۔

لینت طبع

نرم خوئی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی ایک بہت بڑی عطا ہے۔ جس کو مل جائے وہ خلق خدا کا منظورِ نظر بن جاتا ہے۔ دنیا اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ جو ایک دفعہ قریب آجاتا ہے وہ پھر دور ہونے کا نام نہیں لیتا۔ یہ جاذبیت طبع آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بدرجہ اتم عطا فرمائی تھی۔ جس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (۱۱۹)

یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ اس نے آپ کو نرم خو بنایا ہے۔ اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب نہ بھٹکتے۔ پس آپ (اپنی اس نرم خوئی پر قائم رہتے ہوئے) ان سے درگزر کرتے رہے اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگتے رہے اور اُنہیں اپنے مشوروں میں شریک کرتے رہے۔

لینت طبع ہر داعی کا ایک لازمی اور بنیادی وصف ہے۔ اس لئے پیغمبران عظام کو اس میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال لیجئے۔ اُنہیں ان کی قوم نے بڑا ستایا۔ خاص طور پر ان کے والد محترم کا رویہ اُن کے ساتھ بہت سخت تھا لیکن وہ ان سے نرم خوئی کے ساتھ پیش آتے رہے۔ ذاتِ حق نے اس کی گواہی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّاo
قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (۱۲۰)

ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا کہ ابراہیم تم میرے خداؤں سے منحرف ہو۔ یاد رکھو! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا۔ تم مجھ سے دور ہو جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اللہ آپ کو سلامتی دے۔ میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ مجھے محروم نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسب وعدہ اپنے باپ کی بخشش کے لئے خوب دعائیں مانگیں مگر باپ کا رویہ بہ تدریج سخت ہوتا گیا تو وہ بےزار ہوگئے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ () (۱۲۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا مانگنا، اس وعدے کے مطابق تھا جو اُنہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ پھر جب ابراہیم پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُنہوں نے اس سے بےزاری اختیار کر لی۔ ابراہیم بڑے نرم دل اور بردباری تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ اُن کے ساتھ اُن کی قوم نے بڑی بےوفائی کی۔ یہاں تک کہ قریبی ساتھی بھی آپ کو دھوکا دے گئے۔ لیکن آپ نے کبھی ان کے ساتھ سخت دشمنی نہیں فرمائی

بل کہ ان کے لئے بخشش کی دعائیں مانگتے رہے۔ ان کی دعاؤں کا ایک نمونہ یہ ہے۔ فرمایا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱۲۲)

اے باری تعالیٰ! اگر تو اُنہیں سزا دے تو دے سکتا ہے کیوں کہ وہ تیرے عاجز بندے ہیں۔ اور اگر تو اُنہیں معاف کر دے تو اس میں شک نہیں کہ تو بڑا ہی زبردست اور نہایت دانا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال لیجئے وہ بڑے پُر جلال پیغمبر تھے۔ ان کی طبیعت میں لینت سے زیادہ خشونت تھی۔ اس بات کے پیش نظر جب اُنہیں اللہ کی طرف سے فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا تو اُنہیں یہ ہدایت کی گئی:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (۱۲۳)

اس سے (یعنی فرعون سے) نرم گفتگو کیجئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ راہ راست پر آجائے یا اس کے دل میں ڈر بیٹھ جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی لینت طبع آپ ﷺ میں پورے جمال و کمال کے ساتھ موجود تھی۔ آپ نے اپنے بدترین دشمن عبداللہ بن ابی کو جس نے آپ ﷺ کو ہمیشہ ذک پہنچائی اور ذہنی اور جسمانی تکلیفوں سے دوچار کیا۔ مگر جب وہ نزع کے عالم میں تھا تو اس کے پاس تشریف لے گئے، وہ مر گیا تو اُسے اپنی چادر مبارک میں کفن دیا۔ اُسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتارا اور اس کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا مانگی۔ جس کے جواب میں اللہ کی طرف سے یہ پیغام ملا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۱۲۴)

ان کے لئے آپ (ﷺ) بخشش مانگیں یا نہ مانگیں برابر ہے۔ آپ اگر ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ اُنہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

آئندہ کے لئے تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (۱۲۵)

ان میں سے کوئی مر جائے تو اُن میں سے کسی کے لئے دعا نہ کیجئے اور نہ اُن کی قبر پر کھڑے ہوئے کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور نافرمانی کا طوق گلے میں ڈال کر مرے۔

یہ منافقین کے بارے میں تھا۔ مشرکین نے آپ ﷺ کو جتنا ستایا، تاریخ کے اوراق اب بھی اس کی شدت کی گواہی دے رہے ہیں۔ کون ساظلم ہوگا جو اُنہوں نے آپ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر روا نہ رکھا۔ گھر سے بے گھر کیا۔ مال املاک پر قبضہ کرلیا، یثرب میں پناہ لی تو تیر وتفنگ سے لیس ہوکر حملہ کردیا۔ قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ آپ ﷺ کے وفادار ساتھیوں کو صلیب اور سولی پر چڑھایا۔ قید وبند کی سزائیں دیں، عقوبت خانوں میں کئی کئی ماہ پابہ زنجیر رکھا۔ مگر جب وہ مغلوب ہوئے اور آپ ﷺ کو اللہ نے اُن پر غلبہ عطا فرمایا اور آپ ﷺ فاتح کی شان کے ساتھ اپنے آبائی شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ دشمن تھر تھر کانپ رہے تھے کہ آج وہ انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ انصار مدینہ نے انتقام کے جذبے کے ساتھ یہ نعرہ بھی بلند کیا:

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبة (۱۲۶)

آج تکہ بوٹیاں کرنے کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا بھی پاس نہیں کیا جائے۔

آپ ﷺ کے کانوں میں جب اس نعرہ کی صدا پڑی تو فوراً فرمایا:

الیوم یوم المرحمة الیوم تحرم الکعبة (۱۲۷)

آج معاف کردینے اور رحم کرنے کا دن ہے اور کعبہ کی حرمت وتقدیس کا دن ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمادیا۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء (۱۲۸)

آج آزادی کا دن ہے تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

فرمایا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کو جنہوں نے اُنہیں کنویں میں پھینکا تھا، معاف کردیا اسی طرح سے میں بھی ان ہی کے الفاظ **لاتثریب علیکم الیوم** کے ساتھ معاف کرتا ہوں۔

کسی نے کہا! یارسول اللہ (ﷺ)! ان سے اپنا آبائی مکان تو خالی کرالیں۔ فرمایا:

اس میں آلِ عقیل سکونت پذیر ہیں۔ اُنہیں بے گھر کس لئے کریں!

ایک ستائے ہوئے مہاجر نے آپ ﷺ سے فریاد کی: یارسول اللہ! میرے مکان پر اُنہوں نے قبضہ کررکھا ہے۔ وہ تو ان سے واگزار کرادیں۔'' آپ ﷺ نے اُس فریادگزار کو اپنے پاس بلایا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ خوش ہوکر بیٹھ گیا۔ بعد میں لوگوں نے اُس سے پوچھا ''رسول اللہ (ﷺ) نے کون سا افسوں تمہارے کان میں پھونکا کہ تم دم بہ خود ہوکر رہ گئے، کہا۔ آپ (ﷺ) نے میرے مکان میں یہ فرمایا: تمہیں مکان، یہاں اس دنیا میں چاہئے یا آخرت میں اس سے بہ درجہ بہتر؟'' میں نے کہا:

یارسول اللہ (ﷺ)! آخرت کا گھر چاہئے۔ یہ سن کر میں اپنے مطالبے سے دست بردار ہوگیا۔

مشرکین کے سردار ابوجہل کا بیٹا عکرمہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر بھی اطاعت قبول نہ کی اور راہِ فرار اختیار کرلی۔ اس کے بعد وہ مفرور مجرم جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگایا اور خوش دلی کے ساتھ مرحبا کہا۔ اس کے لئے اپنے آئینہ دل کو شفاف کردیا۔

یہ راحت و رحمت کی مثالیں جولینت طبع کے مظہر ہیں۔ دراصل رحم دلی اور نرم خوئی جڑواں بہنیں ہیں۔ جہاں نرم دلی ہوگی وہاں رحم دلی بھی ضرور ہوگی۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔:

ان الرحمة من الله انعام و افضال و من الآد میین رقة وتعطف (۱۲۹)

رحمت اللہ کا فضل اور انعام ہے اور نرم خوئی اور نرم دلی انسانی خو ہے۔

رحمت مجسم

اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ پر بے پایاں نعمت ہے کہ آپ کو اس دنیا میں رحمت مجسم بنا کر بھیجا۔ آپ کی ذات بابرکات آپ کی نبوت، آپ کی شخصیت اور آپ پر اُتاری ہوئی کتاب سب رحمت ہی رحمت ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات کریمہ کے باعث رحمت ہونے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (۱۳۰)

جب تک آپ ﷺ ان میں تشریف فرما ہیں، اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔

آپ ﷺ پر جو کتاب اُتاری گئی، اس کے رحمت ہونے کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

ونَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ (۱۳۱)

اور ہم نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں ہر بات کی وضاحت ملتی ہے اور جو سامانِ ہدایت ہے۔ رحمت ہے اور ماننے والوں کے لئے مژدہ جاں فزا ہے۔

اور آپ ﷺ کی نبوت اور بعثت کے رحمت ہونے پر یہ آیت کریمہ نص قطعی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (۱۳۲)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے ہی نبئ رحمت بنا کر بھیجا۔

اس لئے آپ ﷺ کو اللہ نے ''رحیم'' کا ذی شان لقب عطا فرمایا جو اس کے اپنے حسین ناموں میں سے ایک ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' دونوں کا مادہ ایک ہے۔ دونوں لفظ رحمت

سے نکلے ہیں۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ مگر یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ اُس نے اپنے دو خاص ناموں میں سے ایک نام آپ ﷺ کو عنایت فرمادیا۔ یہ ایک نکتہ ہے جس کے بارے میں امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی توجہ دلائی۔ فرماتے ہیں:

الرحمن و الرحیم نحو ندمان و ندیم ولایطلق الا علی اللہ تعالیٰ من حیث ان معناہ لایصح الا لہ، اذ ھوالذی وسع کل شیء رحمۃ ..... والرحیم یستعمل فی غیرہ وھوالذی کثرت رحمتہ قال اللہ تعالیٰ . ان اللہ غفور رحیم وقال فی صفۃ النبی ﷺ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (۱۳۳)

رحمٰن اور رحیم دونوں فعلان اور فعیل کے وزن پر مبالغہ کے صیغے ہیں جیسے ''ندمان'' اور ''ندیم'' ہیں۔ رحمٰن کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس نے اپنی رحمت کی وسعت میں ہر چیز کو سمولیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مگر لفظ رحیم کو وہ بھی رحمٰن کی طرح اسماء الحسنیٰ میں سے ہے اور اس کے معنی بھی رحمٰن کی طرح بہت رحم کرنے والے کے ہیں۔ اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے اس کا اطلاق جائز ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں ارشاد فرمایا: لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم تمہارے پاس، خود تمہیں میں سے ایک رسول تشریف لاچکے ہیں جو تمہاری تکلیفوں کو دیکھ کر پریشان ہوجاتے ہیں۔ تمہاری ہی فکر اُنہیں لگی رہتی ہے۔ اہل ایمان پر تو بہت ہی مہربان اور دل گرفتہ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے ''رحیم'' اور ''رحمۃ اللعالمین'' ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ آپ کی ذات بابرکات کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور کتاب ہدایت کی وجہ سے دنیا کو سکون اور آرام نصیب ہوا۔ بے جا مذہبی قیود سے خلق خدا کو نجات ملی۔ دیوتاؤں کے آستانوں پر انسانی قربانیوں اور قیمتی چڑھاووں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ مذہبی اجارہ داری ختم ہوئی۔ سیاسی ظلم و تشدد بند ہوا۔ معاشی اور معاشرتی انصاف کی راہیں کشادہ ہوئیں۔ اس ارشاد گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (۱۳۴)

میں ان لوگوں کو اپنی رحمت خاص کے مستحقین میں لکھوں گا جو اس اُمی نبی اور رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔ اور وہ جو اُنہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور اُن کا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور اُن طوقوں کو جو اُن کے گلے میں پڑے ہوئے تھے، اُتارتا ہے۔

رحمت اصل میں اس رقت قلب کو کہتے ہیں جو کسی کے دل میں اس شخص کے لئے پیدا ہو جس کے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہو گیا ہو۔ امام راغب اصفہانی کے الفاظ میں اس کی توضیح یوں ہوگی۔

الرحمة رقة تقتضي الاحسان الى المرحوم وقد تستعمل تارة في الرقة المجردة وتارة في الاحسان المجرد عن الرقه نحو رحم الله فلانا واذا وصف به الباري فليس يراد به الا الاحسان المجردون الرقة وعلى هذا روى ان الرحمة من الله انعام وافضال ومن الآدميين رقة وتعطف وعلى هذا قول النبي ﷺ ذاكرا عن ربه انه لما خلق الرحم قال له انا الرحمن وانت الرحم شققت اسمك من اسمي فمن وصلك وصلته ومن قطعك بتته فذلك اشارة الي ماتقدم وهو ان الرحمة منطوية على معنين الرقة والاحسان فركز تعالىٰ في طبائع الناس الرقة وتفرد بالاحسان. (۱۳۵)

الرحمۃ وہ نرم دلی جو مرحوم (یعنی جس پر رحم کیا جائے) پر احسان کا تقاضا کرے۔ پھر کبھی اس کا استعمال صرف نرم دلی کے معنی ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان (نیکی کرنے) کے معنی میں۔ خواہ نرم دلی کی وجہ سے نہ بھی ہو۔ جیسے رحم اللہ فلانا یعنی اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اس میں نرم دلی کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے جب رحمت اللہ کے ساتھ متصف ہو تو اس سے مراد صرف احسان کے ہوں گے۔ جیسا کہ روایت ہے۔ **ان الرحمة من الله انعام و افضال ومن الآدميين رقة وتعطف** یعنی اللہ کی طرف سے رحمت کا مطلب ہے اس کا انعام اور اس کا فضل۔ اور آدمیوں کی طرف سے رحمت کا مطلب ہے۔ نرم دلی اور شفقت۔ اسی معنی میں آں حضور ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ''رحم'' (بچہ دانی) کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: ''میں رحمان ہوں اور تو رحم ہے۔ میں نے تیرے نام کو اپنے نام سے نکالا ہے۔ پس جو تجھے ملائے گا (یعنی

صلہ رحمی کرے گا) میں بھی اُسے ملاؤں گا اور جو تجھے قطع کرے گا میں بھی اُسے پارہ پارہ کردوں گا۔ اس حدیث میں بھی اوّل الذکر معنی کی طرف اشارہ ہے کہ رحمت میں رقت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ پس رقت تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں ڈال دی ہے اور احسان کو اپنے لئے خاص کر دیا ہے۔

جس طرح لفظ ''رحم'' رحمت سے مشتق ہے، اسی طرح اس کے وہ معنی جو لوگوں میں پایا جاتا ہے، وہ یعنی اس معنی میں ماخوذ ہے جو اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے اور دونوں کے معنوں میں بھی وہی تناسب پایا جاتا ہے جو اُن کے لفظوں میں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''رحمت'' کا لفظ جب اللہ کے ساتھ ہو تو اُس سے مراد اس کا احسان اور اس کی مہربانی ہوگی اور جب رحمت اللہ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ ہو تو اس سے مراد اس کی نرم دلی اور نیکی (احسان) دونوں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے۔ اس کی مہربانیاں عام ہیں۔ اس کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ ہے کہ اس نے انسان کے دل میں ہم دردی کا جذبہ رکھا ہے۔ جب اس ہم دردی کے جذبے کے ساتھ نیکی اور احسان کا عنصر بھی ہو تو اسے ''رحمۃ'' کا نام دیا جائے گا۔ خالی نرم دلی ''رقۃ'' اور ''رافت'' جب اس کے ساتھ احسان اور نیکی بھی مل جائے تو وہ رحمت بن جائے گی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں رافت کی نعمت عطا فرمائی (جو لقب ''رؤف'' سے عیاں ہے) وہاں رحمۃ کا انعام بھی فرمایا۔ وہ بھی اس پورے جمال کے ساتھ کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کو مجسم رحمت بنا دیا۔

نصرت بالرعب

رعب، دہشت، ہیبت، دبدبہ اور جاہ وجلال کو کہتے ہیں اور نصرت بالرعب کا مطلب ہے۔ دبدبہ اور جاہ وجلال عطا کر کے مددگار بننا۔ یہاں مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جو وہ اپنے نیک بندوں کی پردۂ غیب سے فرماتا ہے وہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۳۶)

اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض تھا جو ہم نے ادا کر دیا۔

اسی طرح انبیاء کرام کو مدد بہم پہنچانے کے بارے میں فرمایا:

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (۱۳۷)

اس میں شک نہیں کہ ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کرتے ہیں۔

آپ ﷺ بھی اللہ کے رسول تھے اور آخری رسول تھے۔ مگر شان میں اوّل تھے۔ اس لئے ان کی مدد بھی ذی شان طریقے سے فرمائی گئی۔ اس بارے میں آں حضور ﷺ کا ایک ارشاد ہے۔ فرمایا:

اعطیت خمسالم یعطھن احد قبلی نصر بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجدا وطھوراً فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل واحلت لی الغنائم ولاتحل لاحد من قبلی اعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (۱۳۸)

مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ غنیمت کا مال مجھ پر حلال کر دیا گیا جو پہلے کسی پر حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے، پہلے نبی اپنی قوم کے لئے خاص ہوا کرتے تھے میں ساری دنیا کے لئے نبی ہوں۔

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ اس طرح سے ہے:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت بجوامع الکلم وختم بی النبیون ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی الخلق کافۃ (۱۳۹)

مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیاء پر فضیلت حاصل ہے مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ مجھ پر نبوت ختم ہوگئی۔ رعب عطا کر کے میری مدد کی گئی۔ مال غنیمت مجھ پر حلال کر دیا گیا، ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاک بنا دی گئی اور مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

رعب دو طرح کا ہوتا ہے۔ شخصی اور منصبی۔ آپ ﷺ کو دونوں طرح کا رعب عطا ہوا تھا اور بہ درجہ اتم ادا ہوا تھا۔ ذاتی رعب کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

من راٰہ (ﷺ) بدیھۃ ھابہ (۱۴۰)

جو شخص اچانک آپ ﷺ کے سامنے آتا، دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ دورانِ سفر آپ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک بدو ادھر آ نکلا اس نے آپ ﷺ کی تلوار جو آپ نے درخت کی ایک شاخ سے لٹکا رکھی تھی، ہاتھ میں لے کر کہنے لگا: من

یمنعک منی ؟ (مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ہی مجھے بچائے گا۔ اس نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی۔ جلال کی تاب نہ لاکر تھر تھر کانپنے لگا۔ تلوار ہاتھ سے لڑھک گئی، اُسے اپنا ہوش بھی نہ رہا۔

بچے بڑے عورتیں مرد سب پہلی نظر میں آپ ﷺ سے مرعوب ہوجاتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان پر سے ہیبت کم ہوتی۔ یہ آپ ﷺ کی ذاتی ہیبت کے بارے میں تھا۔ منصبی ہیبت کا عالم یہ تھا کہ آپ کا نام سن کر بڑے بڑوں کا پسینہ چھوٹ جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے معاندین میں زیادہ تر مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود اور منافقین تھے۔ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے سب پر آپ ﷺ کا رعب جما دیا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ (۱۴۱)

ہم عن قریب کافروں کے دلوں میں (آپ ﷺ کا) رعب ڈال دیں گے۔

ابوسفیان کا بے نیل و مرام ہوکر افواج کے ساتھ مکہ واپس لوٹ جانا، اس رعب کی وجہ سے تھا جو آپ ﷺ کا اس کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (۱۴۲)

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کا رعب ڈال دیا۔

یہ وہی منصبی رعب تھا کہ جس کی وجہ سے پورے عرب پر آپ ﷺ کی دھاک بیٹھ گئی۔ قیصر و کسریٰ آپ ﷺ کے نام سے ہیبت کھاتے تھے۔ والیٔ یمن کا سفیر یہ کہنے پر مجبور ہوگیا۔

ماکلمت رجلا قط اهیب عندی منه (۱۴۳)

میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اتنے جاہ و جلال کے ساتھ نہیں دیکھا۔

وسعت سجدہ گاہ

آں حضور ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ اللہ نے مجھ پر یہ ایک بہت بڑا انعام فرمایا ہے کہ میرے لئے پوری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا ہے۔ جہاں چاہے کوئی سجدہ کرے قبول ہوگا۔ اس میں بحر و بر کی قید نہیں۔ جہاں نماز کا وقت آیا، وہاں نماز پڑھ لی، وہی مسجد بن گئی۔ ارشادِ گرامی کے الفاظ یہ ہیں:

جعت لی الارض مسجداً وطهوراً فایما رجل من امتی ادرکته الصلوة فلیصل (۱۴۴)

میرے لئے پوری زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے اور سجدے کے لئے اُسے پاک فرمادیا گیا ہے۔

بس میری اُمت کا کوئی شخص جب اور جہاں نماز کا وقت پائے، وہ وہیں نماز ادا کر سکتا ہے۔

یہ اُن پانچ یا چھ انعامات میں سے ایک ہے جن کے بارے میں آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست (۱۴۵)

دوسری روایت جس میں انعاماتِ خصوصی کا ذکر ہے، یہ ہے:

اعطیت خمسا لم یعطھن احد من قبلی (۱۴۶)

مجھے پانچ چیزوں سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

آپ ﷺ کا فرمان یہ جا ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں اتنی وسعت نہیں ملتی جتنی وسعت اس بارے میں شریعت محمدیہ صلوا ۃ اللہ علیہ میں ملتی ہے۔ عیسائی اپنے گرجوں کے علاوہ کسی جگہ کو دعا اور عبادت کے لئے جائز اور موزوں خیال نہیں کرتے بل کہ دعا کے لئے خاص دھونی اور ساز بھی ضروری خیال کرتے ہیں جو ہر جگہ میسر نہیں آ سکتا۔ اسی طرح یہودی اپنے صومعات (Sanagogs) میں ہی دعا اور عبادت کو جائز سمجھتے ہیں وہ تو اس بارے میں اتنے متشدد ہیں کہ وہ دعا و عبادت تو ایک طرف رہی جانوروں کی قربانی کے لئے مخصوص قربان گاہ کا ہونا ضروری خیال کرتے ہیں۔ قربان گاہ بھی اسی خاص طریقے سے بنائی گئی ہے جس کا حکم تورات کے ''سفر الاحبار'' میں دیا گیا ہے۔

اس کے برعکس شریعت محمدیہ ان تکلفات سے پاک ہے۔ اس میں ساری زمین مسجد گاہ ہے۔ جہاں سر جھکا دیا وہی مسجد ہے۔

جامعیت کلام

جب کلام میں الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں تو ایسے پُر مغز کلام کو ادب میں ''جامع کلام'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جو شعر و سخن سے بھی رتبے میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ادب پارہ چاہے منظوم ہو یا منثور، اگر اس میں جامعیت کا وصف نہیں تو اس میں کچھ بھی نہیں۔ یہ جامعیت کا وصف بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی عطا ہے۔ جس سے نبی کریم ﷺ کو بہ طور خاص سرفراز فرمایا گیا۔ تحدیث نعمت کے طور پر آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اعطیت جوامع الکلم (۱۴۷)

مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔

دوسری روایت میں الفاظ ذرا مختلف ہیں۔ فرماتے ہیں:

بعثت بجوامع الکلم (۱۴۸)

میں جامع کلمات دے کر مبعوث فرمایا گیا ہوں۔

نمونے کے طور پر چند جوامع الکلم حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسمع یسمع لك (۱۴۹)

تو کسی کے لئے دل تنگ نہ کر، تیرے لئے بھی دل تنگ نہیں ہوگا۔

۲۔ ارحموا ترحموا (۱۵۰)

رحم کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۳۔ اذا لم تستحی فاصنع ماشئت (۱۵۱)

جب تم سے حیا جاتی رہی تو پھر جو جی چاہے کرو۔

حیا وہ شرم ہے جو انسان کو نازیبا حرکات سے روکتی ہے۔ اللہ سے حیا، ماں باپ سے حیا، دوست احباب سے حیا، خلق خدا سے حیا، خود اپنے آپ سے حیا۔ اگر دل میں کسی سے کوئی حیا نہیں تو پھر تم مادر پدر آزاد ہو جو چاہے کرو۔ بے شرم کی کوئی آن نہیں ہوتی۔ حیا کسی رنگ میں بھی ہو اچھی ہوتی ہے۔ فرمایا:

۴۔ الحیاء کلہ خیراً (۱۵۲)

حیا جس صورت میں بھی ہو اچھی ہے۔

۵۔ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ (۱۵۳)

بلاشبہ کچھ خطاب جادو اثر اور کچھ اشعار پُر حکمت ہوتے ہیں۔

عصمت وحفاظت

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مطہر اور ذکر پاک کی حفاظت اور اس کو ابدالآباد تک باقی رکھنے کا وعدہ فرمایا، وہ پورا ہو کر رہا۔ وہ وعدہ ان الفاظ کے ساتھ تھا۔ فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ○ (۱۵۴)

یقیناً ہم نے ہی ذکر کو اُتارا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اللہ نے اپنے کلام کو ذکر فرمایا ہے۔ ذکر نسیان کی ضد ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کوئی اگر اس کلام مقدس کو بھلانا بھی چاہے گا تو نہیں بھلا سکے گا۔ دنیا نسیاً منسیا ہو سکتی ہے مگر ذکر خدا باقی رہنے والا ہے، باقی رہے گا۔ اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود ذاتِ حق نے لیا ہے جس کا وہ کلام ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا ذمہ بھی ذاتِ حق نے خود لیا ہے۔ اور کھلے لفظوں میں فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (۱۵۵)

اور اللہ آپ کے (مخالف) لوگوں سے آپ کی خود حفاظت فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (۱۵۶)

کیا اللہ اپنے بندے یعنی نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں۔

اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (۱۵۷)

آپ ﷺ اپنے پروردگار کے حکم پر قائم و دائم رہئے۔ آپ ہماری خاص حفاظت میں ہیں۔

یہ سب یقین دہانیاں آپ ﷺ کی مطلق حفاظت کے ضمن میں آتی ہے۔ جس میں جان، مال، عزت و ناموس سب کا مفہوم شامل ہے۔ یہ اس بارے میں جامع احکامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ ﷺ کی جان و مال کی حفاظت فرمائی وہاں آپ کی عزت و ناموس کا بھی دفاع کیا۔ آپ کی مکی زندگی میں جب لوگوں نے آپ ﷺ کو پاگل اور دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یوں دفاع فرمایا:

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (۱۵۸)

آپ ﷺ اپنے رب کے فضل و کرم سے پاگل اور دیوانے نہیں۔

اسی طرح جب بھٹکے ہوئے لوگوں نے آپ ﷺ کو شاعر ہونے کا طعنہ دیا تو ذاتِ حق نے بہ راہ راست اس کا دفاع فرمایا۔ ارشاد ہوا:

عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (۱۵۹)

اور ہم نے آپ ﷺ کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی شاعری اُن کے شایان ہی تھی۔

جب معاندین نے آپ ﷺ کے ناموس خانہ پر حملے کرنا شروع کئے تو ذاتِ حق نے اُنہیں ان کا منہ توڑ جواب دے کر آپ ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت فرمائی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عزت کو داغ دار کرنے کی سازش ہوئی تو اللہ کی طرف سے اُن کی سازش کو یوں بے نقاب فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا:

وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

عَظِيْمٌ O يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (۱۶۰)

جب تمہارے کانوں میں اس طرح کی بے ہودہ باتیں پڑی تھیں تو تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اللہ پاک ہے اور یہ صریح جھوٹ ہے۔ ایک بہت بڑی تہمت ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اس طرح کا کام پھر کبھی نہ کرنا اگر تم اہل ایمان ہو تو۔

اسی طرح آپ ﷺ کو جب ظالموں نے بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دے کر دشمنوں کا منہ بند کر دیا۔ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ O فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ O اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ O (۱۶۱)

اور ہم نے آپ ﷺ کو بہت کچھ دے دیا پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں، قربانی دیں، دشمن کی باتوں میں نہ آئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ (ﷺ) کا دشمن بے نام رہے گا۔

اللہ نے آپ ﷺ کو ہمیشہ دشمنوں کی ناپاک سازشوں سے محفوظ رکھا۔ اسی کے بارے میں ذاتِ حق کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (۱۶۲)

اگر آپ پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو اُن میں سے ایک گروہ آپ ﷺ کو بہکانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ آپ ﷺ کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اپنے آپ کو بہکا رہے ہیں۔ بہکاتے رہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جان مال عزت عفت شریعت سیرت اور آپ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے تمام کلمات کی ابدالآباد تک حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اور یہ آپ پر اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔

واجب الوجود

اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور واجب الاطاعت ذات ہے۔ اس لئے کہ وہ سب کا خالق اور مالک ہے۔ اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اس حد تک کہ ساری خدائی کا حکم ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ مگر ذاتِ حق کا نہیں۔ یہ مسلمہ اصول ہے۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ اللہ کے حکم کو ٹھکرا کر کسی کا حکم نہیں مانا جا سکتا۔ لیکن یہ رب تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی اطاعت

کو اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی فرمادیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًاO (۱۶۳)

جس نے رسول کریم (ﷺ) کی اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اس سے منہ پھیرا تو ہم نے آپ (ﷺ) کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح سے معصیت کے بارے میں ہے۔ فرمایا:

مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌO (۱۶۴)

جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی اور اس کی حدوں کو پھلانگا۔ وہ اس کو آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اطاعت اور معصیت کی طرح حکم بیعت میں بھی یہی شرف نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت اور آپ کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (۱۶۵)

بلاشبہ لوگوں نے آپ ﷺ کی اطاعت کی یقیناً انہوں نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔

اسی طرح کی بات آپ ﷺ کے غزوۂ بدر میں دشمنوں پر خاک پھینکنے اور انہیں چند ھیا دینے کے ضمن میں آتی ہے۔ میدان جنگ میں جب کفر و اسلام کی فوجیں آمنے سامنے تھیں، گھمسان کا رن تھا۔ آپ ﷺ نے مٹھی میں سنگریزے اُٹھا کر دشمن کی طرف پھینکے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O(۱۶۶)

پس کافروں کو تم نے نہیں، اللہ نے قتل کیا۔ اور مشت خاک آپ ﷺ نے نہیں پھینکی بل کہ اللہ نے پھینکی۔ اللہ تعالیٰ اس سے اہل ایمان کو اچھی طرح سے کھنگالنا چاہتا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اللہ کی یہ عنایت بے پایاں ابھی ختم نہیں ہوتی۔ جب اللہ نے اپنے بندوں سے اپنی رضا چاہی تو اپنی رضا کے ساتھ اپنے حبیب کی رضا بھی شامل کردی۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

مُؤْمِنِيْنَ O (۱۶۷)

وہ تمہیں خوش کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں حال آں کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اس کی خوش نودی حاصل کی جائے۔ اگر وہ سچے مومن ہیں۔

اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ کی بہ جائے اللہ ورسولہ احق ان یرضوھما ہونا چاہئے تھا کیوں کہ اللہ ورسولہ تثنیہ بنتا ہے اس لئے ضمیر بھی اس کے مطابق ہونی چاہئے تھی لیکن اللہ رب العزت کے نزدیک اللہ ورسول کی رضا ایک ہے۔ اس لئے ضمیر بھی واحد کی لائی گئی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی قابل غور ہے۔ فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (۱۶۸)

میرے ذکر کے لئے نماز کا اہتمام کیجئے۔

نماز کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ذکر الٰہی ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے لیکن نماز کے ارکان میں تشہد بھی ہے جس میں رسول اللہ کا ذکر گرامی ہے۔ یوں ذات حق نے از راہِ عنایت اپنے ذکر میں آپ ﷺ کے ذکر کو شامل فرمادیا۔ اسی طرح سے کلمہ ایمان میں اقرار توحید اور اعتراف رسالت کے درمیان واؤ عاطفہ کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ کلمہ طیبہ کے الفاظ ہیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

دونوں جملوں کے درمیان واؤ یعنی اور ہونا چاہئے تھا جو نہیں ہے۔ یہ بھی وحدت الامر کی بلیغ مثال ہے۔

امت خیر

اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل وکرم ہے اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے اچھے ساتھی اور نہایت بھلی اُمت عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں جیسے نہیں کہ جنہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، بے حد ستایا۔ جس پر انہیں مجبور ہوکر یہ کہنا پڑا:

يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ O (۱۶۹)

اے میری قوم! تم مجھے اتنا کیوں ستاتے ہو جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف

اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ پس وہ بگڑے تو اللہ نے اُن کی سوچ ہی بگاڑ دی۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ پر نہیں لگاتا۔

اس کے برعکس آپ کے ساتھیوں نے آپ کو کبھی نہیں ستایا کہ آپ کو اس طرح کے دُکھ بھرے کلمات کہنے پڑے ہوں۔ اگر یہ بات ہوتی تو رب تعالیٰ آپ کے ساتھیوں کی یوں تعریف نہ فرماتے۔ ارشادِ گرامی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (۱۷۰)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے لئے سخت مگر آپس میں نرمی برتنے والے ہیں۔ آپ اُنہیں رکوع اور سجود میں محو دیکھیں گے۔ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار نظر آئیں گے۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہویدا ہیں۔ یہی ہیں وہ جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ملتا ہے۔

بلاشبہ اچھی رفاقت بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاں اس نعمت سے نوازا تھا وہاں آپ ﷺ کو ایک اچھی اُمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ جس کی اچھائی کی شہادت خود ذاتِ حق نے دی ہے، فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۱۷۱)

تم بہترین اُمت ہو تمہیں ساری خدائی کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ تم نیکی کا پرچار کرو اور برائی سے روکو۔ اور اللہ پر ایمان لے آؤ۔

امت خیر یا خیر الامم کے القابات آپ ﷺ کی اُمت کو اس لئے عطا فرمائے گئے کہ وہ حق و صداقت کے پرستار تھے اور نیکی و راستی کے علم بردار تھے۔ خواہ مخواہ کے مطالبات کر کے اپنے نبی کو ستاتے نہ تھے۔ اُنہوں نے کبھی آپ ﷺ سے اس طرح کے مطالبات نہ کئے جس طرح کے مطالبات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی اُمتوں نے کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کھانے پینے کی چیزیں طلب کر لیں حال آں کہ وہ من و سلویٰ جیسے آسمانی کھانوں سے لطف اندوز ہو چکے تھے۔ صرف حصولِ لذت کی خاطر یہ فرمائش کر ڈالی۔ کہنے لگے:

یٰمُوسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (۱۷۲)

اے موسیٰ! ہم سے صرف ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہوتا۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں وہ چیزیں عطا کرے جو زمین سے اُگتی ہیں جیسے ساگ، ککڑی، لہسن، مسور، پیاز وغیرہ

یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم اور ساتھیوں کا تھا اُنہوں نے آپ سے خوان نعمت کا مطالبہ کر ڈالا۔ کہنے لگے:

یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۱۷۳)

اے عیسیٰ بن مریم! کیا تیرا رب ہمارے لئے آسمان سے کھانوں کا دسترخوان اُتار سکتا ہے۔

اس کے بالکل برعکس رسول اللہ ﷺ کے ایثار پیشہ ساتھیوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر ہر موڑ پر آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ اور سر پر کفن باندھ کر آپ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہے۔ آپ ﷺ کی خاطر وطن کو خیر باد کہا۔ مال و املاک اور اہل و عیال کو چھوڑا۔ دیس سے پردیس ہوئے۔ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ بھوک و افلاس کی کلفتوں کو سینے سے لگایا۔ دار و رسن کی آزمائشوں سے گزرے۔ مگر کبھی زبان پر کلمہ شکایت نہ لائے۔ ہمیشہ راضی برضا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے سند قبولیت ملی۔ ارشاد ہوا:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۷۴)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ بے شک اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔

عفت و عصمت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انبیاء کا دامن گناہوں کی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے۔ اگر ان سے کوئی

تھوڑی بہت لغزی ہو جائے تو رب تعالیٰ اُنہیں فوری طور پر آگاہ فرما کر اپنے دامن غفران میں لیتے ہیں۔ رسالت مآب ﷺ بھی اس اعزاز سے سرفراز فرمائے گئے اور اُنہیں یہ شرف بہ درجہ اتم ملا کہ آپ کی ان تمام لغزشوں کو جو فی الواقع لغزشیں نہ تھیں مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کمال کا جو بلند ترین معیار ہے آپ کے مقام بلند کے لحاظ سے لغزشیں بنتی تھیں، کو معاف کر کے از راہِ عنایت اس سے آپ کو آگاہ فرما دیا گیا۔ ارشاد ہوا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناًO لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماًO(۱۷۵)

ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی۔ تاکہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور آپ (ﷺ) پر اپنی نعمت کی تکمیل کرے اور آپ کے لئے ایک بالکل سیدھی راہ کھول دے۔

آیت کریمہ میں آپ سے سرزد ہونے والی کسی لغزش کی طرف اشارہ نہیں بل کہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ سے اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دی گئی۔ یہ ایک بہت بڑی عنایت تھی جو آپ ﷺ پر فرمائی گئی۔

یہ بات تو تصور سے بالاتر ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہوا۔ ہاں دعوت دین کے سلسلے میں کہیں کبھی کبھی کوئی ایسی باتیں صادر ہو گئیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر گرفت فرمائی۔ جیسے نبی کریم ﷺ کے پاس منافق آئے اور طرح طرح کے بہانے بنا کر جہاد میں شمولیت نہ کرنے کی آپ سے رخصت طلب کرتے۔ آپ ﷺ کو علم ہوتا کہ یہ لوگ محض بہانہ سازی کر کے جہاد سے بھاگنا چاہتے ہیں مگر آپ ﷺ اپنی نرم خوئی اور کریم النفسی کے باعث ان کی معذرت کو قبول فرما لیتے اور اُنہیں رخصت دے دیتے۔ اُنہیں رسوا نہ کرتے۔ آپ ﷺ کی یہ نرمی اگرچہ آپ کی نرم خوئی اور کریم النفسی کی وجہ سے تھی۔ اس میں ہوائے نفس کا کوئی شائبہ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ ﷺ کی گرفت فرمائی۔ اس لئے کہ نبی ہر معاملے میں حق و عدل کی کسوٹی اور نمونہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے میں اتنا نہ بڑھے کہ حد اعتدال سے گزر جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ از راہِ مروت رؤسائے قریش کی دل داری فرماتے۔ جیسے ایک مرتبہ آپ ان سے محو گفتگو تھے کہ آپ ﷺ کا نابینا ساتھی عبداللہ بن ام مکتوم آ موجود ہوئے۔ آپ ﷺ کو اس کا آنا ناگوار گزرا۔ دلوں کے راز دار علام الغیوب ذات کو آپ ﷺ کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ فوراً وحی آئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىO اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰىO وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىO اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

الذِّکْرٰیO (۱۷۶)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرلیا۔ جب نابینا آپ (ﷺ) کے پاس آیا۔ آپ (ﷺ) کو کیا معلوم کہ شاید وہ نابینا اپنی اصلاح کرتا یا نصیحت کی باتیں سنتا اور وہ اس کو نفع پہنچاتیں۔

سورہ تحریم میں بھی اسی طرح کی بات ہے کہ آپ (ﷺ) کی ازواج مطہرات میں سے بعض کو وہ شہد پسند نہ تھا جس میں مغافیر کی بو ہو۔ (مغافیر ایک جنگلی بوٹی کا نام ہے جس سے شہد کی مکھیاں شہد لیتی ہیں) چناں چہ اُنہوں نے آپ ﷺ سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا جس پر آپ نے دل میں ٹھان لیا کہ آئندہ ایسا شہد کھانا ہی نہیں جس سے منہ میں تعفن پیدا ہوا۔ عام حالات میں تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی بل کہ جس جذبے اور ارادے کے ساتھ آپ ﷺ نے ترکِ شہد کا عہد کیا تھا وہ بری تو کیا پسندیدہ بات تھی۔ لیکن پیغمبر کا ہر قول و عمل دین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ہر عمل پوری امت کے لئے مثال اور نمونہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ذاتی ذوق کی خاطر کوئی ایسی بات کہے یا کرے جو بال برابر بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حدود سے متجاوز ہو۔ ورنہ پوری امت کے لئے ایک مثال قائم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

آپ کے لئے ''انعام غفران'' اسی نوعیت کے واقعات کے لئے ہے۔

تالیفِ قلوب

دل جوڑنے اور باہمی اُلفت پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔ اُلفت و محبت نسان کی فطرت میں ہے۔ ہوا و ہوس انسان میں بغض و عداوت کا بیج بوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے دور ہوجاتے ہیں۔ باہمی اُلفت جاتی رہتی ہے۔ دلوں میں محبت کی جگہ نفرت سماجاتی ہے۔ انسانی شیرازہ بکھر جاتا ہے، فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر رحم آتا ہے۔ وہ پاکیزہ نفوس کے ذریعے ان کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ کٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا ہے اور اُنہیں تباہی و بربادی سے بچالیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَO (۱۷۷)

اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ پھر اللہ

نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ سو اُس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، اس نے تمہیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔

تالیف قلوب کی یہ نعمت اللہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو بھی عطا ہوئی۔ اُنہوں نے کٹے ہوئے دلوں کو جوڑا۔ اُنکو بغض وعناد سے پاک کیا۔ ایسا افسوں پھونکا جس سے نفرت کی جگہ محبت نے لے لی۔ برسرپیکار قبائل ایک دوسرے سے شیروشکر ہوگئے۔ شیر اور بکری نے ایک گھاٹ پانی پیا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے آپس میں گھل مل گئے۔ پرانی عداوتیں ختم ہوگئیں۔ یہ ایک معجزہ تھا جو ذات حق نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ سا آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ O وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (۱۷۸)

اور اگر وہ آپ (ﷺ) کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو اللہ آپ کی حمایت کے لئے کافی ہے۔ اس نے آپ کو، اپنی مدد خاص کے ساتھ اور مومنوں کے ذریعے، قوت عطا کی۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور اُلفت ڈالی۔ اگر آپ (ﷺ) جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کر دیتے تب بھی آپ (ﷺ) ان کے درمیان اُلفت پیدا نہ کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کی۔ بلاشبہ وہ بڑی قوت والا اور حکمت والا ہے۔

انسان جب عقل وشعور کی پٹڑی سے نیچے اُترتا ہے تو وہ وحشی جانور بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کو بھنبھوڑ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ ایسے وحشی انسانوں کو راست پر لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس لئے آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا کے سارے خزانے خرچ کئے جائیں تو ایسے وحشی انسانوں کو راہ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص ہے کہ اس نے اپنے عظیم المرتبت نبی اُمی کے ذریعے خوں خوار انسانوں کے دلوں میں باہمی محبت اور اخوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

مواخات مدینہ اور میثاق مدینہ تالیف قلوب کے سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ مواخات مدینہ کے ذریعے مہاجرین اور انصار مدینہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا گیا۔ آں حضور ﷺ نے کمال حکمت ودانش سے ان کے درمیان ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ اُنہوں نے پرانی عداوتوں کو بھول کر دوستی اور محبت کی نئی راہ اپنائی۔ اسی طرح میثاق مدینہ کے ذریعے جہاں اہل ایمان میں یگانگت کا جذبہ بڑھا وہاں یہود کے ساتھ

مل جل کر رہنے کا سلیقہ آیا۔ انصار کے قبائل (اوس وخزرج) آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ آں حضور ﷺ کی حکیمانہ کاوشوں سے وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ مل کر انہوں نے مکہ سے آنے والے مہاجرین کو سینے سے لگایا۔ اسی طرح سے انصار اور مہاجرین اسلام کے پلیٹ فارم پر ایک قوت بن کر اُبھرے، یہ سب اس ''تالیف قلوب'' کا کرشمہ تھا جس کی باگ ڈور اللہ اور اس کے رسول کے ہاتھ میں تھی۔

ذکر فی الصحف

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعزاز بھی بخشا ہے کہ آپ کا ذکر گرامی قرآن کے علاوہ دیگر کتب سماوی میں بھی فرمایا ہے۔ جیسے تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتاری گئی، انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی، وہ اب بھی موجود ہے گو اُن میں بہت ردو بدل ہو چکا ہے۔ لیکن ان میں باوجود تحریف کے آپ ﷺ کا ذکر گرامی کسی نہ کسی صورت میں مل جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (۱۷۹)

یہ وہ لوگ ہیں جو نبی اُمی یعنی رسول کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر خیر وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کے تشریف لانے کی خوش خبری سنائی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (۱۸۰)

اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل: میں بلاشبہ تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلے آنے والی کتاب تورات کو سچا بتاتا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی خوش خبری دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔

موجودہ انجیل میں بھی اسی بات کا ان الفاظ کے ساتھ ذکر ملتا ہے:

اور میں جا کر باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۸۱)

وکیل یونانی لفظ {Para Kletos} کا ترجمہ ہے۔ جس کی معرب شکل فارقلیط ہے۔ سرسیّد احمد خان کے نزدیک اس کا درست ترجمہ وکیل نہیں بل کہ محمد اور احمد ہے۔ (۱۸۲)

عیسائی دانشور ڈاکٹر فرینک صفی اللہ خیر اللہ اپنی کتاب قاموس الکتاب میں لکھتے ہیں:

فارقلیط۔ یونانی لفظ {Para Kletos} کا معرب ہے۔ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وکیل جس سے مراد خداوند مسیح ہیں۔ دوسرے معنی پاک روح کے ہیں جس سے مراد روح القدس ہے۔ (۱۸۳)

مگر سر ولیم میور کہتے ہیں کہ اصل یونانی لفظ "Para Kletos" نہیں "Pariclutos" ہے جس کے معنی ''محمد'' اور ''احمد'' بنتے ہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

{Paracletos is a corrpt-reading for pariclytos and that is the original saying of Jesus. There was a prophecy of the Holy Prophet named Ahmad by name It we read Paroclete, it would apply to the Holy Prophet who is mercy for all creatuses (184)

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری ہوئی کتاب تورات میں بھی آپ ﷺ کا ذکر مبارک ملتا ہے۔ تورات کے صحیفے تثنیہ شرع میں ہے:

خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے بھائیوں ہی میں سے میری مانند ایک نبی تیرے لئے برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا اور اس کی بات کو نہ جھٹلانا۔ (۱۸۵)

تورات کے اسی صحیفے میں دوسری جگہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور مریبہ قادیش میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی۔ اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا۔ اس کے تمام مقدسین تیرے ہاتھ میں تھے۔ اُنہوں نے اس کی باتوں سے روشنی پائی۔ شریعت کا حکم جو اس نے فرمایا۔ (۱۸۶)

''فاران'' وادی حجاز کا دوسرا نام ہے۔ علامہ یاقوت الحمویؒ فاران سے مراد ارض حجاز لیتے ہیں۔ اس کی تائید میں وہ تورات کا پرانا عربی ترجمہ جو آرکوئی ٹن (R.Koeton) نے 1857ء عیسوی میں کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اسکن فی بریة فاران (الحجاز) واخذت له امه امراته من الارض مصر (۱۸۷)

مسیحی دانش ورڈاکٹر حنفی اللہ خیر اللہ لفظ ''فاران'' کے تحت لکھتے ہیں:

فاران جزیرہ نما سینا میں ایک بیابان ہے جس میں ابراہیم نے ہاجرہ، اور اسماعیل کو گھر سے نکالا تو وہ اسی بیابان میں گئے تھے۔(۱۸۸)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ''فاران سے جلوہ گر'' ہونے والی ذات محمد ﷺ کی ہے۔

میثاق انبیاء

میثاق انبیاء سے مراد، انبیائے کرام کا وہ عہد ہے جو اُن سے عالم ارواح میں لیا گیا کہ وہ آنے والے رسول کی تائید و تصدیق کریں گے اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی تلقین کریں گے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور دین کے کام میں اس کی معاونت کریں۔اس بارے میں حکم خداوندی کے کلمات یہ ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ○ (۱۸۹)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بالضرور اس کی مدد کرنا ہوگی۔فرمایا: کیا تم نے مان لیا اور اس پر تم پختہ عہد کرتے ہو؟ اُنہوں نے کہا: جی ہم مانتے ہیں۔فرمایا: پس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ رہوں گا۔

''رسول'' سے کون رسول مراد ہیں۔کیا ہر آنے والا رسول یا خاص رسول محمد ﷺ ہیں؟ اس میں مفسرین مختلف الرائے ہیں۔امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمۃ اللہ علیہ مؤخر الذکر رائے کی تائید کرنے والوں میں سے ہیں اور اُنہوں نے اس پر بڑے شدومد سے لکھا ہے۔فرماتے ہیں:

الرسول هذا محمد ﷺ في قول علي بن ابي طالب رضي الله عنهُ و عبدالله ابن عباس رضي الله عنهما واللفظ رسول نكرة فالاشارة الى معين (۱۹۰)

''رسول'' سے مراد محمد ﷺ ہیں۔یہی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول اور یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔لفظ رسول اگرچہ نکرہ ہے مگر اس کا اشارہ جس کی طرف ہے وہ خاص اور معین ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کی صحت میں کلام ہوسکتا ہے لیکن خوب ہے۔ فرماتے ہیں:

ان الله تعالیٰ لما خلق نورنبینا محمد صلی الله علیه وسلم امره ان ینظر الی انوارالانبیاء علیهم فغشیهم من نوره مانطقهم الله به،فقالوا! یا ربنا من غشینا نوره؟ فقال الله تعالیٰ! هٰذا نور مُحمد بن عبدالله ان آمنتم به جعلتکم انبیاء قالوا ! آمنا به ونبوته فقال الله تعالیٰ: اشهد علیکم؟ قالوا ! نعم فذٰلك قوله تعالیٰ: واذاخذالله میثاق النبیین لما. (۱۹۱)

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا تو اُسے حکم دیا کہ وہ انبیاء کے انوار کی طرف نظر ڈالے۔ نظر ڈالنے کی دیر تھی کہ وہ تمام انبیاء کے انوار پر اللہ کی دی ہوئی توفیق سے چھا گیا۔ ان سب نے عرض کیا: اے باری تعالیٰ اے ہمارے رب! کس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد بن عبداللہ کا نور تھا۔ اگر تم اس پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں منصب نبوت پر فائز کردوں گا۔ انہوں نے جواباً عرض کیا: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم پر گواہ ہوں؟ عرض کیا! جی ہاں: قرآن کریم اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَاللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ

روایت قابل قبول ہو یا نہ ہو لیکن رسالت مآب ﷺ کے اس شرف سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی نبوت کی تائید کسی نہ کسی شکل میں انبیاء نے ضرور فرمائی۔ اگر آپ انبیاء سابقہ کی تصدیق کرتے ہیں تو انبیاء سابقہ اللہ کے حکم اور اس کی دی ہوئی توفیق سے آپ کی نبوت کی توثیق اور تبشیر کیوں نہ کرتے ہوں گے۔ یہ آپ ﷺ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے اور یہ آپ پر اللہ کا فضل خاص ہے۔

تسلیۃ الرسول ﷺ

ذات حق کی طرف سے آپ ﷺ کو جس ذیشان طریقے سے تسلیاں دی گئی ہیں اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ انبیائے کرام میں یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ ذات حق نے کبھی آپ کو پر ملال نہیں ہونے دیا۔ آپ کی نصرت دل جوئی کے لئے کلمات تسلی کا نزول ہوتا رہا جیسے ارشاد فرمایا گیا:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ O (۱۹۲)

ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتوں سے آپ کو بہت رنج ہوتا ہے۔ وہ جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اصل میں وہ آپ کو نہیں ہماری روایات کو جھٹلاتے ہیں۔

جھٹلانے پر آپ کو اللہ کی بے پایاں رحمت یاد دلائی گئی۔ ارشاد ہوا:

فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ رَّبُّکُمْ ذُوْ رَحْمَۃٍ وَّاسِعَۃٍ وَّلَا یُرَدُّ بَاْسُہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ O (۱۹۳)

اگر لوگ آپ کو طعنے دیتے ہیں یا جھوٹا کہتے ہیں۔ اس سے آپ کی عزت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے فرمایا گیا:

وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۱۹۴)

انبیاء کے حالات اور ان کے تذکرے صرف آپ کی ڈھارس بندھانے کے لئے سنائے گئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ (۱۹۵)

تمام حالات جو ہم آپ کو انبیاء کے سناتے ہیں وہ صرف آپ کی ڈھارس بندھانے کے لئے اور تقویت قلب کے لئے ہوتے ہیں۔

کافروں کی دل خراش گفتگو کے لئے یوں سامان تسلی بہم پہنچایا گیا۔ ارشاد ہوا:

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ O الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ O وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ O (۱۹۶)

ہم تیرا مذاق اُڑانے والوں کے لئے کافی ہیں۔ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بناتے ہیں۔ اُنہیں اپنا انجام جلد معلوم ہو جائے گا اور ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اُن کی (دل خراش) گفتگو سے آپ کا دل گھٹتا ہے۔

ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں کے انکار پر آپ کو اتنا دُکھ ہوتا کہ آپ گھنٹوں مغموم رہتے۔ اس پر ذات حق کی طرف سے یوں کلمات تسلی نزل ہوتے۔ ارشاد فرمایا گیا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا O (۱۹۷)

اگر یہ کافر اس کلام مقدس پر ایمان نہ لائیں تو اُن کے پیچھے رنج کے مارے شاید آپ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

کافروں کے مکر وفریب اور دجل پر آپ کو رنج تو ہوتا ہی تھا۔ آپ کی تسلی کے لئے یوں ارشاد فرمایا گیا

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ O (۱۹۸)

آپ کافروں کے جھٹلانے پر اس قدر رنجیدہ نہ ہوا کریں اور نہ ان کے داؤ پیچ پر اتنے افسردہ اور آزردہ ہوا کریں۔

کفار کے انجام بد کی خبر دے کر آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ وہ کتنے دن ایسا کر لیں گے۔ آخر اُنہوں نے ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ اُن کی چالاکی و ہوش یاری کہاں گئی؟ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ O (۱۹۹)

کوئی اگر نہیں مانتا تو آپ (ﷺ) اتنے رنجیدہ نہ ہوں۔ آخر اُنہوں نے ہماری طرف لوٹنا ہے۔ ہم اُنہیں ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ کریں گے۔ اللہ بے شک دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ ہم اُنہیں تھوڑا سا مزہ لینے دیں گے پھر اُن کو زبردست سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

شرف اوّلیت

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بہت سی باتوں میں اوّلیت کا شرف بخشا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كنت اوّل النبيين فى الخلق واٰخرهم فى البعث (۲۰۰)

سیرت حلبیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كنت نوراً بين يدى ربى قبل خلق آدم عليه الصلوٰة والسلام باربعة عشر الف عام (۲۰۱)

یہ تو بات آپ ﷺ کی خلقت میں اوّلیت کی۔ خلقت کی طرح نبوت میں بھی آپ کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے استفسار فرمایا:

يا رسول الله! متى وجبت لك النبوة؟ قال: وآدم بين الروح والجسد (۲۰۲)

یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کو شرف نبوت سے کب نوازا گیا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا میں

اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے مرحلے میں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آں حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

یا رسول الله! متی اخذ میثاقك؟ قال: وآدم بین الروح والجسد (۲۰۳)

یارسول اللہ (ﷺ)! آپ سے میثاق نبوت کب لیا گیا؟ فرمایا: آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

یہ تو عالم ارواح میں اوّلیت کا شرف تھا۔ یہ شرف آپ ﷺ کو آخرت میں عطا ہوگا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

انا اوّل الناس خروجا اذا بعثوا (۲۰۴)

جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔

ایک اور ارشاد گرامی میں ہے، فرمایا:

انا اوّل من تنشق عنه الارض ولا فخر (۲۰۵)

میں سب سے پہلا ہوں جس کے لئے زمین شق ہوگی۔ اس اوّلیت پر مجھے کوئی فخر نہیں۔

قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں سب سے پہلے سجدہ ریز ہونے کی اجازت آپ ﷺ ہی کو عطا فرمائی جائے گی۔ آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

انا اوّل من یوذن له بالسجود یوم القیامة (۲۰۶)

میں پہلا ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدے میں التجا کرنے کی اجازت ملے گی۔

اسی طرح فرمایا کہ سر اُٹھانے کی بھی اجازت سب سے پہلے مجھے حاصل ہوگی۔ ارشاد گرامی کے الفاظ یہ ہیں:

انا اوّل من یؤذن له ان یرفع رأسه (۲۰۷)

میں سب سے پہلا آدمی ہوں جسے قیامت کے دن سر اُٹھانے کی اجازت دے جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آں حضور ﷺ نے فرمایا:

انا اوّل شافع واوّل مشفع (۲۰۸)

میں پہلا ہوں گا جو سفارش کروں گا۔ اور میں پہلا ہوں گا جس کی سفارش قبول ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

انا اوّل شافع واوّل مشفع یوم القیامة ولا فخر (۲۰۹)

میں پہلا ہوں گا قیامت کے دن جو سفارش کرنے والا ہوگا اور میں پہلا ہوں گا جس کی سفارش قبول ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

پل صراط پر سے گزرنے کے بارے میں فرمایا:

فیضرب الصراط بین ظهرانی جهنم فاکون اوّل من یجوز من الرسل بامته (۲۱۰)

پل صراط جہنم کے اوپر ہوگی۔ میں پہلا ہوں گا جو اُسے پار کروں گا۔

دخول جنت کے بارے میں فرمایا:

انا اوّل من یدخل الجنة یوم القیامة ولا فخر (۲۱۱)

قیامت کے دن میں پہلا ہوں گا جو جنت میں جاؤں گا۔ یہ بات میں فخر یہ نہیں کہتا۔

شرف شفاعت

میدان حشر میں جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ جلال خداوندی کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی جرأت نہ ہوگی۔ سفارش کرنا تو کجا سفارش کی اجازت طلب کرنا بھی امر محال ہوگا۔ اس وقت رحمۃ للعالمین اپنی اُمت کے لئے اللہ کے حضور سفارش کرنے کی جرأت فرمائیں گے۔ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ طویل سجدہ فرمائیں گے۔ ارشاد ہوگا:

یا محمد! ارفع رأسك وقل یسمع لك وسل تعط واشفع تشفع (۲۱۲)

آپ ﷺ کا ایک ارشاد ہے۔ فرماتے ہیں:

لکل نبی دعوة مستجابة یدعوبها واربد ان اختی دعوتی شفاعة لامتی فی الآخرة (۲۱۳)

ہر نبی کے لئے ایک مقبول دعا ہوتی ہے جو وہ کرتا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا قیامت کے دن اپنی اُمت کے لئے محفوظ کرلوں۔

چناں چہ آپ ﷺ قیامت کے دن اپنی محفوظ دعا کے ذریعے اللہ سے اپنی اُمت کی بخشش کی دعا فرمائیں گے۔ دعا قبول ہوگی۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے۔

انطلق ماخرج منها من کان فی قلبه مثقال ذرة او خردل من ایمان (۲۱۴)

جائیں اور جہنم سے ابھی نکال لیں جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں دوزخ کی طرف جاؤں گا اور اپنے امتیوں کو نکال لاؤں گا۔ پھر ذاتِ حق کے حضور التجا کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے سفارش کی اجازت دیں گے۔ یوں چار مرتبہ آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدے میں گر کر اُمت کی بخشش کے لئے دعا کریں گے۔ جلالِ خداوندی جوش میں آئے گا۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب (ﷺ) کو مخاطب کر کے فرمائیں گے:

وعزتی وجلالی و کبرائی و عظمتی لاخرجن منها من قال لا اله الا الله (۲۱۵)

مجھے اپنی عزت وجلال اور کبریائی وعظمت کی قسم میں اُنہیں ضرور دوزخ سے نکال دوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔

سفارش کے لئے خصوصی حمدیہ کلمات آپ ﷺ کے دل میں القاء کئے جائیں گے جن کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ویلهمنی محامد احمده بها لاتحضرنی الآن فاحمده بتلك المحامد (۲۱۶)

رب تعالیٰ میرے دل میں حمدیہ کلمات القا فرمائیں گے جن کے ذریعے اللہ کی حمد وثنا کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں۔

آپ ﷺ اپنے امتیوں کے لئے اس کثرت سے بخشش کی دعا فرمائیں گے کہ رب تعالیٰ اسے شرف قبولیت بخشنے کے بعد آپ ﷺ سے استفسار فرمائیں گے کیا آپ راضی ہوگئے؟ عرض کریں گے۔ نعم، رضیت (جی میرے مولا میں راضی ہوگیا۔) آپ ﷺ فرماتے ہیں:

والله لا ارضی و واحد من امتی فی النار (۲۱۶/الف)

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

هی الشفاعة فی امته حتی یرضی (۲۱۷)

آیت کریمہ یعطیک ربک فترضی یعنی اللہ آپ (ﷺ) کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں، سے مراد یہی شفاعت ہے جو آپ (ﷺ) قیامت کے دن اپنی اُمت کے لئے فرمائیں گے۔ ان کی شفاعت کی اتنی پذیرائی ہوگی کہ آپ (ﷺ) خوش ہو جائیں گے۔

اس لئے آپ (ﷺ) کی اس شفاعت کو مفسرین نے ''شفاعت کبریٰ'' کا نام دیا ہے۔ آپ (ﷺ) کی شفاعت کے بارے میں رب تعالیٰ کی جانب سے یہ فرمانا کوئی معمولی بات نہیں۔

انا سنرضیك فی امتك ولانسوؤك (۲۱۸)

ہم عن قریب آپ (ﷺ) کو امت کے حق میں راضی کردیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ ہونے دیں گے۔

مقام محمود

قابل ستائش منصب اور قابل تعریف رتبہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے جو اس نے آپ ﷺ کو تفویض کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○ (۲۱۹)

یقیناً آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کو منصب محمود پر فائز فرمائے گا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آں حضور ﷺ نے مقام محمود کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یبعث الناس یوم القیامة فاکون انا وامتی علی تل ویکسونی ربی تبارك و تعالی حلة خضراء ثم یؤذن لی فاقول ماشاء الله ! ان اقول فذاك المقام المحمود (۲۲۰)

قیامت کے دن لوگوں کو اُٹھایا جائے گا میں اور میری اُمت ایک ٹیلے پر جمع ہوں گے۔ رب تعالیٰ مجھے سبز پوشاک پہنائیں گے۔ پھر مجھے اذن کلام ملے گا پس میں، جتنا اللہ چاہے گا بارگاہِ ایزدی میں عرض کروں گا۔ بس یہی مقام محمود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد عرش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو عرش پر بٹھائے گا۔

یقعده صلی الله علیه وسلم علی العرش (۲۲۱)

حضرت عبداللہ بن عباس کا مقام محمود کے بارے میں یہ قول بھی ہے۔ فرماتے ہیں:

ان محمد من ربه مقاما لایقومه نبی مرسل ولا ملك مقرب یبین الله للخلائق فضله علی جمیع الاوّلین والآخرین (۲۲۲)

اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ (ﷺ) کے لئے ایسا مقام ہے کہ جس پر نہ کوئی نبی مرسل فائز ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ اس مقام خاص پر صرف آں حضور ﷺ کو فائز فرمایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کو دکھانے کے لئے اور آپ ﷺ کی اوّلین اور آخرین

پر فضیلت ظاہر کرنے کی خاطر آپ ﷺ کو اس مقام محمود پر جلوہ گر فرمائیں گے۔

اس منصب خاص کو مقام محمود کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ جہاں اوّلین و آخرین آپ ﷺ کی تعریف اور توصیف بیان کریں گے۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ مقام محمود کی توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمقام المحمود هو مقام الشفاعة لانه بحمده فيه الاوّلون والآخرون (۲۲۳)

مقام محمود، مقام شفاعت ہی کا نام ہے۔ کیوں کہ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد سب آپ ﷺ کی تعریف کریں گے۔ اوّل و آخر سب۔

علامہ فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ تنویر المقباس کی ایک روایت کے حوالے سے آیت کریمہ **عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا** کی توضیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا ان یقیمك ربك مقاما محمودا مقام الشفاعة محمودا. بحمدك الاوّلون و الآخرون (۲۲۴)

آپ ﷺ کا رب آپ کو مقام محمود یعنی مقام شفاعت پر جلوہ افروز فرمائے گا اس طرح کہ آپ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہوگی۔ اوّلین و آخرین سب آپ کی تعریف کر رہے ہوں گے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آیت کریمہ کے حوالے سے مقام محمود کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا ای بحمدك فيه الاوّلون والآخرون وهو مقام الشفاعة (۲۲۵)

جلد ہی آپ ﷺ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ یعنی ایسے مقام پر فائز کرے گا جس پر آپ ﷺ کی سب لوگ ستائش کریں گے۔ وہ قابل ستائش مقام، شفاعت کرنے کا مقام اور منصب ہے۔

آخرت میں تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ قابل ستائش منصب پر فائز کریں گے ہی مگر اس دنیا میں بھی آپ ﷺ کو جس مقام بلند پر رفعت بخشی گئی وہ بھی قابل قدر اور قابل ستائش مقام ہے۔

شرف اسرا

اسرا لغت میں رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے معراج النبی ﷺ ہے۔ اسرا کے ایک معنی کشادہ اور اونچی زمین کی طرف جانا بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس ذی شان سفر کو، جو ایک ہی

رات میں تمام ہوا۔ جس میں کشادگی بھی تھی اور بلندی بھی، اسرا کا نام دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُO (۲۲۶)

پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے اس دور والی مسجد تک، جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی ہے۔ (سیر اس لئے کرائی) تاکہ ہم اپنے اس بندۂ خاص کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں۔

اسرا کو ''معراج'' کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں چڑھنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لغوی معنی تو اس کے سیڑھی اور چڑھنے کی جگہ کے ہیں لیکن اس سے مراد بلند پروازی اور بلندی مرتبت کے ہیں جس سے زیادہ تصور میں نہ آسکے۔ بے شک آں حضور ﷺ کا آسمانوں پر جانا اور تجلیات حق کا نظارہ کرنا، بلندی مرتبت کی غایت اور انتہا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا غایت ہوسکتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا شرف ہے جو قدرت کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا ہوا۔ سورت نجم میں آپ کے اس مشرف سفر کے بارے میں مزید اشارے فرمائے گئے ہیں جو دل چسپی سے خالی نہیں۔ فرمایا:

وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیO ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیO فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰیO فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰیO مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰیO اَفَتُمَارُوْنَہٗ عَلٰی مَایَرٰیO وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰیO عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰیO عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰیO اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیO مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی (۲۲۷)

(وہ بالائی اُفق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور بہت ہی قریب آگیا۔ بس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بل کہ اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو کچھ وحی کرنا تھا کیا۔ جو کچھ آنکھ نے دیکھا دل نے اسے نہ جھٹلایا۔ (لوگو!) کیا تم اس (دیکھنے والے) سے جھگڑا کرتے ہو اس چیز کے بارے میں جو اس نے کھلی آنکھوں سے دیکھی؟ وہی کچھ اس نے دوبارہ دیکھا۔ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے پاس۔ جس کے بالکل قریب ''جنت الماویٰ'' ہے۔ اس وقت سدرۃ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ (جو ناقابل بیان ہے) نگاہ نہ تو چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اس ہمارے بندۂ خاص نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

ارشاد گرامی ''بڑی بڑی نشانیوں'' کے تذکرے پر ختم ہوا۔ یہی نشانیاں تھیں جن کے مشاہدے کے

لئے ذات حق نے اپنے بندے کو فرش سے عرش تک کی سیر کرائی۔ وہ بڑی بڑی نشانیاں کیا تھیں اور آپ ﷺ نے ان کا کیسے مشاہدہ فرمایا۔ اس کی وضاحت بے شمار روایات میں ملتی ہے۔ ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ مبارک سفر ایک رات کے چند لمحات میں ہی تمام ہوا۔ اور اس مختصر ترین عرصے میں ذات حق نے آپ ﷺ کو جو دکھانا تھا دکھا دیا۔ مسجد اقصیٰ کی زیارت کرائی خاک سے افلاک تک کا سفر پلک جھپکنے کی دیر میں طے ہوا۔ قدسیوں سے آپ ﷺ کا تعارف ہوا۔ انبیائے سلف سے ملاقات ہوئی۔ جنت و دوزخ کے مناظر آپ ﷺ کو نہایت قریب سے دکھائے گئے اور تشبیہ و استعارے کے انداز میں جنتیوں اور دوزخیوں کے حال سے باخبر کیا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی زیارت کرائی گئی جو ایک بہت بڑا بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان یا دونوں کے درمیان ہے۔ وہ مقدس درخت اس مقام پر ہے جو عالم بالا اور عالم اسفل کا نقطہ اتصال ہے۔ عالم بالا سے جتنے احکام صادر ہوتے ہیں، وہ پہلے یہیں آتے ہیں۔ وہاں سے پھر ملائکہ زمین پر لاتے ہیں۔ (۲۲۷/الف)

چناں چہ آپ ﷺ نے کھلی آنکھوں کے ساتھ اس مقدس درخت سدرۃ المنتہیٰ کی زیارت کی۔ ساتھ ہی جنت الماویٰ ہے جو جنت خاص ہے جو مقبولین بارگاہ کا مسکن ہے۔ یوں آپ ﷺ نے عالم بالا کے حسین اور مقدس مقامات کی زیارت فرمائی۔ سب سے بڑا شرف جو آپ ﷺ کو اس ذی شان سفر میں عطا ہوا۔ وہ تجلیات حق کا مشاہدہ تھا۔ ذات حق کو دیکھا یا تجلیات کا مشاہدہ کیا۔ اہل علم اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں لیکن اس بارے میں سب متفق ہیں کہ جو کچھ بھی آپ ﷺ کو دکھایا وہ سب سے اعلیٰ و بالا تھا۔ جو ارشاد حق ہی سے عیاں ہے۔

شرف قیادت

یہ آپ ﷺ پر اخروی انعامات میں سے ایک ہے۔ آپ اپنی امت کے پاسباں تو ہوں گے لیکن دوسرے نبیوں کی امتیں بھی آپ ﷺ کے فیض سے محروم نہیں رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پوری نوع انسانی کی قیادت عطا فرمائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ آں حضور ﷺ نے فرمایا:

وانا قائدهم اذا وفدوا (۲۲۸)

اور میں اس دن یعنی قیامت کے دن ان سب کا سردار ہوں گا جو وہاں جمع ہوں گے۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة (۲۲۹)

میں قیامت کے دن اولادِ آدم یعنی تمام بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا۔

انبیائے کرام بھی آپ ﷺ کی سیادت اور قیادت میں ہوں گے۔اس بارے میں حضرت علی بن کعب کی روایت ہے۔آں حضور ﷺ نے فرمایا:

اذا کان یوم القیامة کنت امام النبیین و خطیبهم (۲۳۰)

جب قیامت کا دن ہوگا، میں تمام انبیاء کا سردار اوران کا متکلم ہوں گا۔

یعنی انبیا کی قیادت کرتے ہوئے اللہ کے حضور ان کی طرف سے ترجمان اور متکلم آپ ﷺ ہوں گے۔آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کشادہ پرچم ہوگا۔تمام انبیاء اس پرچم کے سائے میں پناہ لیں گے۔ آپ ﷺ ہی کا ارشادِ گرامی ہے۔فرمایا:

و مامن نبی یومئذ آدم فمن سواه الاتحت لوائی. (۲۳۱)

قیامت کے دن کوئی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔حضرت آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

آدم فمن دونه تحت لوائی ولا فخر (۲۳۲)

حضرت آدم اوران کے علاوہ سب انبیاء میرے پرچم تلے ہوں گے اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔

آپ ﷺ کا پرچم ''لواء الحمد'' کے نام سے موسوم ہوگا۔(۲۳۳)

آپ ﷺ کا فیض جاری ہے۔سب اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔آخرت میں بھی اسی طرح آپ کا فیضان جاری وساری رہے گا۔آپ کی قیادت اور سیادت سب کے لئے راحت جاں ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو شہادت کا منصب بھی سونپا جائے گا۔آپ جہاں اپنی اُمت کے گواہ ہوں گے، وہاں انبیاء کرام پر بھی گواہ ہوں گے۔یہ ایک بہت بڑا شرف ہے جو آپ ﷺ کو عطا ہوگا۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (۲۳۴)

کیسے حال ہوگا لوگوں کا؟ جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ (ﷺ) کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

دوسرے مقام پر ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ یہی مضمون یوں بیان ہوا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْداً عَلَيْهِم مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْداً عَلَى هٰؤُلَاءِ (۲۳۵)

اور اس دن ہم ہر امت میں سے ان پر گواہ اٹھائیں گے جو خود ان ہی میں سے ہوں گے اور آپ ﷺ کو (یارسول اللہ!) ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

قیادت، سیادت اور شہادت سب اعزازات ہیں جن سے آپ ﷺ کو قیامت کے دن سرفراز کیا جائے گا۔ آپ ﷺ لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہوں گے۔ ان کے دکھوں کو کم کریں گے اور مایوسی کی حالت میں ان کی ڈھارس بندھائیں گے اور اُنہیں خوش خبری سنا کر ان کی مایوسی کو اُمید میں بدل دیں گے۔ اس بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

انا مبشرهم اذا ايسوا (۲۳۶)

قیامت کے دن میں لوگوں کو خوش خبری سناؤں گا جب وہ مایوس ہو جائیں گے۔

متہجد

تہجد رات کو نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے اور جو ایسی نماز پڑھے اُسے لغت میں ''متہجد'' کہتے ہیں۔ رات کو اُٹھ کر اللہ کو یاد کرنا ایک محبوب مشغلہ ہے جو ذات حق کو حد درجے مرغوب ہے۔ اس لئے اس نے اپنے ان بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو رات کو اپنی نیند قربان کر کے اُسے یاد کرتے ہیں، ارشاد گرامی ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُم مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۳۷)

مومن تو اصل میں وہ ہیں جن کے پہلو رات کو اپنی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید سے پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی کو معلوم نہیں جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا، اُن کے لئے خزانہ غیب میں مخفی ہے۔ یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے۔

یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون اور بخشش کا سامان، عام اہل ایمان کے لئے ہے۔ آں حضور ﷺ کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان آیا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً ○ (۲۳۸)

بعض حصہ شب بیدار رہا کرو تہجد کی نماز پڑھا کرو، یہ شب خیزی تمہارے لئے ایک عطیہ ہے۔

''نافلۃ لک'' آپ کے لئے ایک انعام ہے۔ نافلۃ عطیہ اور بخشش کو کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ''نافلۃ'' کی توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن اليل فتهجد به نافلة لك وعلىٰ هذا قوله تعالىٰ ووهبنا له اسحاق و يعقوب نافلة وهوا ولد الولد يقال نفلته اى اعطيت نفلا. ونفله السلطان اى اعطاه نقلا اى تفضلا و تبرعاً والنوفل العاء الكثير (۲۳۹)

اور آیت کریمہ ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ لك ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ووھبنا لہ اسحاق و یعقوب یعنی ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ یعقوب ''نافلۃ'' یعنی عطیہ ہے۔ کیوں کہ وہ بیٹے کا بیٹا ہے کہا جاتا ہے۔ نفلتہ یعنی میں نے اسے عطیہ دیا۔ اسی طرح کہتے ہیں نفلہ السلطان یعنی بادشاہ نے اُسے بہت کچھ عطا کیا۔ ''النوفل'' بڑی بخشش کو کہتے ہیں۔

تہجد کی ادائیگی کا فوری فائدہ یہ بتایا گیا کہ آپ ﷺ اگر اس نعمت جان کو پلے باندھ لیتے ہیں اور باقاعدگی کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ایسے مقام پر فائز فرمادیں گے جو قابل صد ستائش ہوگا۔ لوگ آپ ﷺ کی تعریف کرتے کرتے تھکیں گے نہیں۔ اس حکم ربانی کے آنے کے بعد آپ ﷺ نے تہجد کو معمول بنالیا تھا۔ پھر اللہ نے آپ کو وعدے کے مطابق مقام محمود عطا فرمادیا۔ اس دنیا میں بھی آپ ﷺ اس سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ آپ کو اس عظیم الشان مقام سے نوازیں گے۔

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اس قدر ستائش بیان کی جاتی ہو جتنی کہ آپ ﷺ کی۔ آپ کی توصیف میں جتنی کتابیں لکھی گئیں، دنیا کی کسی شخصیت پر اتنی نہیں لکھی گئی ہوں گی۔ اسی طرح جتنا آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اُسی طرح کسی کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ رات دن آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جارہا ہے اور پڑھا جاتا رہے گا۔ یہ ہے کہ مقام محمود جو آپ ﷺ کو دنیا میں عطا ہوا اور آخرت میں بھی آپ کو اس طرح کا قابل ستائش مقام نصیب ہوگا۔ لوگ میدان محشر میں آپ کے گن گاتے پھریں گے۔

سحر انگیزی کا یہ ایک فائدہ خاص ہے جو صرف آپ ﷺ کے لئے ہے۔ آپ کے لئے ایک اور فائدہ بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا O نِّصْفَهٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا O اَوْزِدْ عَلَيْهِ

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ (۲۴۰)

اے چادر میں لپٹے ہوئے۔ رات کو قیام کیجئے مگر آدھی رات یا اس سے ذرا کم یا ذرا زیادہ۔ قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجئے۔ ہم آپ ﷺ کو ایک بھاری ذمے داری سونپنے والے ہیں۔ بلاشبہ رات کو جاگنا اور (نماز ادا کرنا) طبیعت میں انکسار اور گفتگو میں راستی اور درستی کا باعث بنتا ہے۔ تہجد میں بھی جاگنا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ بھی ان دونوں فوائد کی حامل ہے۔ اس طرح تہجد کے انعام الٰہی ہونے میں شک نہیں۔

منبع اصر

لفظ اصر بوجھ کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس کے معنی کسی چیز میں گرہ لگانے اور اس کو زبردستی روک لینے کے ہیں۔ استعارتاً اس سے مراد وہ دُشواریاں ہیں جو نیکی کے کاموں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہوں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اصر کی تعریف یوں ہے۔ فرماتے ہیں:

الاصر عقد الشیء وحبسہ بقھرہ قال تعالیٰ ویضع عنھم اصرھم ای الامور التی تبطھم وتقیدھم عن الخیرات و عن الوصول الی الثوابات و اعلیٰ ذالک ولا تحمل علینا اصرا وقیل ثقلا وتحقیقہ ماذکرت (۲۴۱)

''الاصر'' کسی چیز کو زبردستی روکنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ویضع عنھم اصرھم میں اصر ان امور کے لئے جو نیکی کے کاموں اور ثواب کے کاموں تک پہنچنے میں حائل ہیں یہی معنی ولا تحمل علینا اصرا کے ہیں۔ بعض لوگوں نے بوجھ کے معنی لئے ہیں لیکن حقیقی معنی وہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کئے ہیں۔

''وضع امر'' کے معنی دُشواریاں دور کرنے اور نیکی کی راہوں کو آسان کرنے کے ہیں۔ یہ بھی ایک شرف تھا جس سے آں حضور ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ آپ کے دم قدم سے وہ تمام بے جا مذہبی حدود و قیود ختم ہو گئے جن میں مذہبی رہنماؤں نے انسانوں کو جکڑ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے انسانیت کو سکون اور آرام نصیب ہوا۔ اس بارے میں ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۲۴۲)

وہ ایسے رسول اُمی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس رکھی ہوئی تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔ وہ اُنہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہراتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام بتاتے ہیں۔ اور ان پر سے ان ناروا پابندیوں اور اُن کے گلوں میں پڑے ہوئے طوقوں کو اُتار پھینکتے ہیں۔

یہ ناروا پابندیوں کا بھاری بوجھ جس کے نیچے دب کر انسان بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ نبی رحمت نے آ کر اس بوجھ کو اُتارا اور اس کے لئے اللہ سے یہ دعا فرمائی:

لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۲۴۳)

اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو تُو ہماری گرفت نہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا، اے ہمارے پروردگار! جس بار کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ ڈال۔ ہمارے ساتھ نرمی فرما۔ ہم سے درگزر کر۔ ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا آقا ہے اور ہماری کافروں کے مقابلے میں مدد فرما۔

''اصر'' جس سے بچنے کی دعا کی گئی ہے وہ سخت شرعی قوانین ہیں جو بنی اسرائیل پر ان کی کج روی کے باعث اللہ کی طرف سے نافذ کئے گئے تھے۔ جن میں بے حد تشدد پایا جاتا تھا۔ مثلاً شریعت موسویہ میں حائضہ ناپاک تھی۔ اس کی ناپاکی کو اتنا بڑھایا گیا کہ وہ اگر کسی سے چھو جائے تو وہ ناپاک اور اس ناپاک سے جو چھو جائے وہ بھی ناپاک۔ جس بستر پر حائضہ بیٹھ جائے وہ ناپاک اور اس ناپاک بستر پر ہر بیٹھنے والا ناپاک۔ اگر حائضہ کسی برتن کو ہاتھ لگا دے تو وہ اس قدر ناپاک ہو جاتا کہ پانی بھی اُسے پاک نہ کر سکتا۔ پانی کسی چیز کو پاک کرنے کے لئے ناکافی تھا۔ آگ ہی صرف طاہر اور مطہر سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح شریعت موسویہ میں ''سبت'' کا حکم تھا کہ ہفتہ میں ایک دن کام سے آرام کیا جائے۔ اس میں اس قدر تشدد کیا گیا کہ گھروں میں چولہے سرد کر دیئے گئے۔ آگ جلانا حرام قرار پایا۔ آٹا گوندھنا، روٹی پکانا سب ممنوع ٹھہرے۔ اس میں اتنی شدت اختیار کی گئی کہ علماء نے ازار بند کو چھونا بھی حرام قرار دے دیا۔ سبت کے دن آگ جلانا تو حرام ہی تھا۔ آگ جلانے کے لئے لکڑیاں اور ایندھن اکٹھا کرنا بھی قابل سزا بل کہ

قابل گردن زنی جرم قرار پایا۔ (۲۴۳/الف)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ران میں چوٹ آگئی تھی جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ اس لئے یہودیوں نے ران کے گوشت کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔ (۲۴۴)

شریعت موسوی میں ختنہ کرانا فرض تھا جو ایک پاکیزگی کی علامت تھی۔ اس حکم میں اتنا تشدد کیا گیا کہ غیر مختون واجب القتل ٹھہرے۔ (۲۴۵)

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے احکامات و رسومات جن سے یہودیت کا دامن لب ریز ہے۔ انہیں اقرار اور ''اغلال'' سے تعبیر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو رحمت بنا کر بھیجا جنہوں نے انسانیت کو ان ظالمانہ ضابطوں سے نجات دلائی۔

وضع وزر

''الوزر'' کے معنی بارگراں کے ہیں۔ اس کے اصل معنی تو پہاڑ میں جائے پناہ کے ہیں لیکن مجازاً اس کے معنی بوجھ کے لیتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں وزر کی توضیح یہ ہے:

الوزر الثقل تشبیھا بوذر الجبل ویعبر بذالك عن الاثم كما یعبر عنه بالثقل (۲۴۶)

وزر کے معنی بوجھ کے ہیں یہ مجازی معنی ہیں۔ اصل معنی پناہ کوہ کے ہیں۔ اس سے گناہ کے معنی بھی لے لیتے ہیں جیسے اس سے بوجھ کے معنی لیتے ہیں۔

وضع وزر کے معنی بوجھ ہلکا کرنے کے ہیں اور سبک دوش کرنے کے ہیں۔ یہ بھی ایک شرف ہے جس سے آں حضور ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ نے جس کا اظہار بڑے شاہانہ اسلوب میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ۝ الَّذِىٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ (۲۴۷)

اور ہم نے ہی تمہارا بوجھ اُتار دیا جس نے تمہارے کو توڑ ڈالا تھا۔

اس بوجھ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

ووضعنا عنك ای خفضنا عنك اعباء النبوۃ والقیام بھا حتیٰ لا تثقل علیك (۲۴۸)

ہم نے آپ ﷺ سے نبوت کی ذمے داریوں کو ہلکا کر دیا تا کہ آپ کو بوجھ معلوم نہ ہو۔

قوم کی فلاح و اصلاح کی فکر تو آپ ﷺ کو شروع ہی سے دامن گیر تھی۔ یہ آیت کریمہ اس کا بین ثبوت ہے۔ فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O (۲۴۹)

اگر یہ کافر اس کلام مقدس پر ایمان نہ لائیں تو ان کے پیچھے رنج کے مارے شاید آپ (ﷺ) اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں!

ذات حق کی طرف سے اس کے لئے آپ کو تسلی بھی دی گئی۔ ارشاد ہوا:

طٰهٰ O مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى O اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى O (۲۵۰)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ اپنی زندگی اجیرن کرلو۔ یہ تو بس ان لوگوں کے لئے یاددہانی ہے جو ڈرنے والے ہیں۔

قوم کی زبوں حالی ہر تاسف اور دین حق کے پہنچانے کی فکر آپ ﷺ کو ہمیشہ دامن گیر رہی۔ جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے لگایا جاسکتا ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ آپ (ﷺ) ان پر داروغہ نہیں۔

مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى آپ پر اُنہیں پاکیزہ بنانے کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ یعنی اس بارے میں آپ (ﷺ) زیادہ فکرمند نہ ہوں۔

آپ ﷺ کو قرآن مجید کی جمع وتدوین کی فکر تھی۔ تو فرمادیا گیا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (۲۵۱)

یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اُسے جمع بھی کریں گے اور پڑھا بھی دیں گے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو تکمیل دین کی فکر تھی تو ارشاد ہوا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ O وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۲۵۲)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی۔

احکام شریعت کے مشکل ہوجانے کی فکر تھی تو فرمادیا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (۲۵۳)

ہم نے قرآن کو آسان بنادیا۔

آپ ﷺ کو اُمت کے گناہوں کی بخشش کی فکر تھی جو آپ کو حق شفاعت عطا فرما کر دور کردی گئی۔ فرمادیا گیا:

انت شافع و مشفع

آپ کی شفاعت رد نہ ہوگی۔

جب آپ ﷺ نے دعوت دین کا آغاز فرمایا تو ہر طرف کفر و شرک کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ جان و مال اور عزت کا تحفظ ختم ہو چکا تھا۔ شرافت سسک رہی تھی۔ ظالم دندناتے پھرتے تھے۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں۔ کھلے بندوں شرفا کی عزت لوٹ لی جاتی تھی۔ عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ غلاموں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر آپ ﷺ کی حساس طبیعت پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ آپ ﷺ کڑھتے رہتے تھے مگر آپ کو اس بگاڑ کے سنوار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آپ ﷺ اسی فکر میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی کا راستہ دکھا کر آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اللہ نے آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی۔ تمام ظلم ایک ایک کر کے مٹ گئے۔ فتح و کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔

اذا جاء نصر الله و الفتحO (۲۵۴)

کامیابی اور نصرت آ پہنچی۔ ساری کلفتیں دور ہو گئیں۔ سب غم ٹل گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس جانے کے لئے کہا تو اُنہوں نے عرض کی:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْO وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْO وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْO یَفْقَهُوْا قَوْلِیْO وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْO هَارُوْنَ اَخِیْO (۲۵۵)

اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔ اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ہارون بھائی کو میرا وزیر بنا۔

''وزیر'' وزر سے نکلا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ذمے داریوں کا بوجھ اُٹھانے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذمے داریوں کے بوجھ سے گھبرا کر اللہ سے نبوت ملنے کے پہلے ہی دن وزیر مانگ لیا۔ یہ آپ ﷺ کا وصف تھا کہ آپ نے تن تنہا نبوت کی ذمے داریوں کا بوجھ اُٹھایا۔ رب سے کوئی وزیر نہ مانگا۔ اللہ نے آپ ﷺ کی لاج رکھی۔ آپ کو یہ شرف بخشا کہ وہ نعمت جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ اللہ نے وہ آپ ﷺ کو بن مانگے دے دی اور فرما دیا: وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ

شرح صدر

لغوی معنی تو سینہ کھولنے کے ہیں لیکن اس سے مراد اطمینان قلب، حوصلہ ہمت اور اولوالعزمی ہے۔ نبوت

کے حوالے سے شرح صدر یہ ہے کہ حوصلہ اتنا بلند ہو جائے کہ کسی بڑی سے بڑی مہم پر جانے اور کسی سخت سے سخت کام کو انجام دینے میں تامل نہ ہو اور منصب نبوت کی ذمے داریاں سنبھالنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کارِ نبوت سونپا گیا تو اُنہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِO وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ (۲۵۶)

میرے رب مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔

پھر رب تعالیٰ کے حضور سینے کی کشادگی کے لئے دعا مانگی:

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡO وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡO وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡO یَفۡقَہُوۡا قَوۡلِیۡO (۲۵۷)

اے میرے پروردگار! میرے لئے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لئے میرے کام کو آسان فرما۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

شرح صدر ایک نعمت خداوندی ہے۔ بہ شرطے کہ وہ اسلام کے لئے ہو۔ اس لئے فرمایا گیا:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ (۲۵۸)

اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا وہ اپنے رب کے نور سے فیض یاب ہو گیا۔

اسی طرح اگر کسی کا سینہ اسلام کے لئے نہیں، کفر کے لئے کشادہ ہے تو وہ غضب خداوندی کا شکار ہو گیا۔ اس کے بارے میں ارشاد ہوا۔

وَلٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (۲۵۹)

جس کا سینہ کفر کے لئے کشادہ ہو گیا پس وہ خدا کے غضب سے دوچار ہو گیا اور اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔

شرح صدر جب نبوت کے حوالے سے ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ وہ نبوت کا سرتاج ہے۔ اس لئے آں حضور ﷺ کو یہ شرف بخشا گیا اور اُنہیں یہ انعام بہ درجۂ اُتم عطا کیا گیا اور بن مانگے عطا فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَO (۲۶۰)

کیا ہم نے آپ (ﷺ) کی خاطر آپ کے سینے کو کشادہ نہیں کر دیا۔

یہ استفہام تقریر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔ اس طرح کہ اس میں نور نبوت پوری طرح سما گیا۔ وہ علم و معرفت کا خزانہ

بن گیا۔ صبر و شکر، عزم و استقامت سے لبریز ہو گیا۔ جس نے آپ ﷺ کو اس قابل بنا دیا کہ آپ وحی الٰہی کے بوجھ برداشت کر سکیں اور دعوت دین کی ذمے داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکیں۔ طاغوتی قوتوں کا ہمت و جرأت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اللہ کی طرف قم فانذر اُٹھیے! لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرائیے۔ حکم ملا تو آپ ﷺ بلا تامل اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بارگاہ ایزدی میں یہ التجا نہ کی کہ انی اخاف ان یکذبون مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میری بات نہیں مانیں گے۔) پھر عرض کیا کہ رب الشرح لی صدری شرح صدر عطا فرما دیجئے۔ میں سینے میں تنگی محسوس کرتا ہوں۔ ویضیق صدری (میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے بلا خوف و خطر دعوت دین کا آغاز فرما دیا۔ نہ کسی ڈر اور خوف کا اندیشہ ظاہر فرمایا نہ رب تعالیٰ سے اپنے سینے کی تنگی کا شکوہ کیا اور نہ شرح صدر کا مطالبہ کیا۔ کیوں کرتے وہ تو آپ ﷺ کو عطا ہو چکا تھا۔ دعوت دین کے حکم کے ساتھ آپ ﷺ کو اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا۔ اسی لئے (الم نشرح:۱) فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کو پتہ ہے کہ ہم نے اس کام کے لئے جو آپ کے سپرد کیا گیا ہے۔ سینہ کشادہ کر دیا ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا تھا نشرح صدرک یا شرفنا صدرک ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کشادہ کر دیا لیکن جو بات اس پیرایہ بیان میں ہے اس میں نہیں۔ میرا یہ بیان بھی خوب ہے اور جس نعمت کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے وہ بھی خوب ہے۔

اس نعمت سے اہل ایمان کو بھی حوصلہ ملا۔ ارشاد ربانی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا O (۲۶)

جس کو اللہ تعالیٰ راہ پر لانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں اور جسے گم راہ کرنا چاہتے ہیں اُس کا سینہ تنگ بھنچا ہوا کر دیتے ہیں۔

خلق عظیم

خلق جس کی جمع اخلاق ہوتی ہے، عادت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ خلق اور خلق میں یہ فرق ہے کہ خلق صورت و شکل کے لئے بولا جاتا ہے جس کا تعلق ادراک بصر سے ہوتا ہے یعنی اُسے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے جب کہ خلق کا لفظ قویٰ باطنہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ عادات اور خصائل کے معنی دیتا ہے۔ جن کا تعلق سراسر بصیرت سے ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں خلق یہ ہے:

الخلق والخلق فی الاصل واحد کالشرب والشرب والصرم والصرم لکن خص الخلق بالھیئات والاشکا والصور المدرکة بالبصر وخصی الخلق بالقوی والسجایا المدرکة بالبصیرة قال الله تعالیٰ وانك لعلی خلق عظیم (۲۶۲)

الخَلق اور الخُلق اصل میں دونوں ایک ہیں جیسے الشرب اور الشرب، الصرم اور الصرم ہوتا ہے مگر خلق شکل اور صورت کے ساتھ خاص ہے جس کا ادراک بصارت سے ہوتا ہے جب کہ خلق عادات اور خصائل کا نام ہے جن کا ادراک صرف بصیرت سے ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ**.

اخلاق اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ اچھے اخلاق انسان کا زیور ہیں۔ اس لئے اس فضیلت کو جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔ ''الاخلاق'' کا نام دیا جاتا ہے۔

آں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلق کے اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

مَآاَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍO وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍO وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍO فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَO بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُO (۲۶۳)

آپ (ﷺ) پر اپنے رب کا بہت بڑا انعام ہے کہ آپ (ﷺ) دیوانے نہیں اور یقیناً آپ (ﷺ) کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ (ﷺ) کے اخلاق بہت عالی ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے آپ ﷺ دیوانے نہیں ہوش مند ہیں۔ اچھے عادات خصائل کے مالک ہیں۔ یہ بھی اللہ کی آپ ﷺ پر بہت بڑی عنایت ہے کہ آپ کو اعلیٰ اخلاق کے شرف سے نوازا گیا ہے۔ یہ انعام ہے آپ ﷺ کی شب و روز کی محنت کا جو آپ دین حق کے لئے فرماتے ہیں۔ ''نعمت'' اور ''اجر'' کے الفاظ آپ ﷺ کی رفعت شان کی غمازی کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا خلق عظیم بھی اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ یہی وہ آپ کا بہت بڑا وصف تھا، جس کی بناء پر آپ ﷺ اپنوں اور غیروں کے دلوں میں گھر کر گئے۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے گن گاتے تھے۔ انہیں آپ ﷺ کی عادات و خصائل سے کوئی شکایت نہ تھی۔ وہ تو آپ کے دعوت دین کی وجہ سے دشمن تھے

آپ ﷺ کا خلق عظیم، نقش قرآن تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اخلاق کریمہ کی بہت جامع تعریف فرمائی ہے۔ فرماتی ہیں۔ **کان خلقه القرآن** ''قرآن آپ ﷺ کا اخلاق تھا'' مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کے ذریعے جس ضابطہ اخلاق کی تعلیم دی وہ خود اس کا

بہترین عملی نمونہ تھے۔ جن باتوں کو آپ ﷺ نے اچھا کہا، پہلے خود اس پر عمل کیا اور جن باتوں کو برا بتایا، پہلے خود اس سے اجتناب کر کے دکھایا۔ قرآن کی تعلیمات اخلاق کا مجسم نمونہ تھے۔ قرآن میں جن اخلاقی صفات کو فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی ذات اُن سے متصف تھی اور جن صفات کو اس میں ناپسند ٹھہرایا گیا ہے آپ ﷺ اُن سب سے پاک تھے۔

آپ ﷺ خود بھی سچے اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ دوسروں کو بھی اچھے اخلاق کی تلقین فرماتے۔ اور اپنی بعثت کا مقصد بھی حسن اخلاق کی تعلیم دینا فرماتے۔ ارشاد گرامی ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۲۶۴)

مجھے اچھے اخلاق کی تعلیم و تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

فرماتے تھے کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اور ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (۲۶۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ نے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو اُن کو رخصت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

احسن خلقك للناس (۲۶۶)

لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

اخلاق حسنہ آپ ﷺ کی پہچان تھی اور اسی میں آپ کی شان ہویدا تھی۔

رفع الذکر

لغوی معنی ذکر کو اُٹھانے کے ہیں۔ ذکر اُٹھانا یعنی کسی کی ناموری اور شہرت کے ذکر کو بلند کرنا ہے۔ کسی کو گمنامی سے نکال کر ناموری کی نعمت سے سرفراز کرنا ''رفع الذکر'' ہے۔ امام راغب اصفہانی رفع الذکر کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرفع يقال تارة فى الاجسام اذا اعليتها عن مقرها نحو ورفعنا فوقكم الطور و تارة فى الذكر اذا توهته نحو قوله ورفعنا لك ذكرك (۲۶۷)

الرفع کبھی اجسام کے لئے آتا ہے جب کہ کسی چیز کو اسی کے اصل مقام سے اُٹھایا جائے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ''اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو اُٹھایا''۔ اور کبھی ذکر کے لئے ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں، اس کو بڑھانا پھیلانا۔ جیسے ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

یہ ایک انعام ہے جو ذات حق نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا۔ پرشکوہ اسلوب میں آپ کو یہ مژدہ سنایا گیا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۲۶۸)

اور ہم نے آپ (ﷺ) کی خاطر آپ کے ذکر کو بلندی عطا فرمادی۔

دراصل یہ ایک وعدہ ہے جو ذات حق نے آپ ﷺ کے ساتھ فرمایا۔ یہ آیت جس میں یہ نوید سنائی گئی ہے، مکی ہے یعنی اس کا تعلق آپ ﷺ کی مکی زندگی سے ہے جب کہ آپ کے نام گرامی سے صرف اہل مکہ ہی آشنا ہوں گے۔ اور یہ مژدہ جاں فزا جس میں ناموری اور شہرت کی بات کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کو آپ کی مکی زندگی میں سنایا گیا۔ آپ ﷺ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پوری کائنات میں آپ ﷺ کا نام گونجنے لگے۔

اللہ بڑی شان والا ہے جب وہ کسی کی شان بڑھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے اسباب پیدا کردیتا ہے۔ آپ ﷺ کے نام نامی کو جب رفعت عطا کرنا مقصود ہوا تو سب سے پہلے دشمنوں سے یہ کام لیا۔ اُنہوں نے ہی سب سے زیادہ آپ ﷺ کو متعارف کرایا۔ اس زمانے میں رابطے کا صرف ایک ہی سب سے بڑا ذریعہ تھا، وہ ایام حج تھے۔ جب دور دور سے لوگ زیارت کعبہ کے لئے آتے تھے تو اُن تک جو خبر پہنچ جاتی تھی وہ جنگل کی آگ کی طرح روئے عرب پر پھیل جاتی تھی۔ آں حضور ﷺ نے جب دعوت وتبلیغ کا آغاز فرمایا تو اہل مکہ آپ ﷺ کے دشمن ہوگئے۔ اُنہوں نے حج کے دنوں میں قبیلے قبیلے سے آئے زائرین کو فرداً فرداً ان کے خیموں میں جا کر بتایا کہ وہ محمد ﷺ نامی شخص سے بچ کر رہیں، وہ نئی نئی باتیں کرتے ہیں اور باپ دادا کے خداؤں کی مخالفت کرتے ہیں۔ یوں آپ ﷺ کی شہرت دشمنوں کے ہاتھوں روئے عرب میں پھیل گئی۔ لوگوں میں تجسس پیدا ہوا، اللہ کی تائید ساتھ تھی، جوں ہی آپ ﷺ کا پیغام حق ان تک پہنچا وہ مسلمان ہونے لگے۔ چند ہی سالوں میں آپ کا پیغام اور آپ کا نام گرامی روئے عرب میں گونجنے لگا۔

عرب تو کیا عجم بھی آپ ﷺ کے ذکر گرامی سے روشناس ہوگیا۔ قیصر وکسریٰ بھی آپ کے نام سے آشنا ہوگئے۔ حبشہ کے رہنے والے بھی آپ ﷺ کو جاننے لگے۔ بل کہ شاہ حبش نے آپ کی اطاعت قبول کر کے آپ کی صداقت کا اعلان کر ڈالا۔ یوں آپ کا ذکر عرب سے نکل کر عجم میں پہنچ گیا۔ صرف دس گیارہ برسوں میں عرب اور عجم کے ہزاروں مربع میل علاقے میں آپ ﷺ کا نام گرامی ادب واحترام سے لیا جانے لگا۔ دعوت دین جیسے جیسے پھیلتی گئی آپ ﷺ کا ذکر بھی خوش بو کی طرح پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس کے دل ودماغ میں اس خوشبو کی مہک رس بس نہ گئی ہو۔ سب کلمہ پڑھتے

تو آپ ﷺ کا نام لیتے۔ اذانیں دیتے، نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے۔ ان کی زبان پر آپ ﷺ کا نام آتا۔ یہ سلسلہ جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا آپ ﷺ کے نام گرامی کا چرچا بھی ویسے ویسے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ پوری دنیا میں یہ چرچا پھیل گیا۔ آج دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں، جہاں مسلمان بستے ہوں اور وہاں آپ ﷺ کا نام گرامی بلند نہ ہوتا ہو۔

اللہ نے اپنے خاص بندے سے جو وعدہ (رفع الذکر) کا فرمایا تھا، اُسے بہ حسن وخوبی پورا فرمادیا۔ اب آپ ﷺ کا ذکر گرامی کا غلغلہ فرش سے لے کر عرش تک پھیلا ہوا ہے۔ ملائکہ بھی آپ ﷺ کے ذکر میں محو ہیں۔ خود ذات حق بھی۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (۲۶۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔

یہ ہے شرف رفعت کی مختصر جھلک۔

حواشی

۱۔ راغب اصفہانی۔ المفردات: بہ ذیل مادہ
۲۔ المائدہ:۵۴
۳۔ آل عمران:۷۴۔۷۴
۴۔ یونس:۵۴
۵۔ النساء:۳۲
۶۔ سبا:۱۰
۷۔ زخرف:۵۰
۸۔ الصافات:۱۱۴
۹۔ طٰہٰ:۳۷
۱۰۔ بنی اسرائیل:۷
۱۱۔ یوسف:۱۰۰
۱۲۔ طٰہٰ:۳۷
۱۳۔ النساء:۱۱۳
۱۴۔ آل عمران:۱۶۴
۱۵۔ النساء:۹۴
۱۶۔ البقرۃ:۲۶۴
۱۷۔ المائدہ:۵۴
۱۸۔ یونس:۵۸
۱۹۔ النساء:۱۱۳
۲۰۔ بنی اسرائیل:۸۶، ۸۷
۲۱۔ المائدہ:۱۱۰
۲۲۔ النحل:۸۹
۲۳۔ المائدہ:۴۴
۲۴۔ المائدہ:۴۶
۲۵۔ المائدہ:۴۴
۲۶۔ النساء:۴۶
۲۷۔ الحجر:۹
۲۸۔ الکہف:۲۷

۲۹۔ بنی اسرائیل:۹
۳۰۔ النساء:۸۲
۳۱۔ النحل:۸۹
۳۲۔ ہود:۱۷
۳۳۔ بنی اسرائیل:۲
۳۴۔ ابراہیم:۱
۳۵۔ دیکھئے:انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بہ ذیل قرآن
۳۶۔ المجادلۃ:۱۱
۳۷۔ یوسف:۷۶
۳۸۔ الکہف:۶۲،۶۳
۳۹۔ النجم:۵۔۶
۴۰۔ التکویر:۱۹۔۲۰
۴۱۔ العنکبوت:۴۸
۴۲۔ العنکبوت:۴۸
۴۳۔ العنکبوت:۵۱
۴۴۔ المفردات: بہ ذیل مادہ
۴۵۔ البقرۃ:۲۶۹
۴۶۔ مریم:۱۲
۴۷۔ ص:۲۰
۴۸۔ المائدہ:۱۱۰
۴۹۔ الزخرف:۶۳
۵۰۔ لقمان:۱۲
۵۱۔ النساء:۵۴
۵۲۔ البقرۃ:۲۳۱
۵۳۔ آل عمران:۱۶۴
۵۴۔ النساء:۱۱۳
۵۵۔ الاحزاب:۳۴
۵۶۔ یونس:۱
۵۷۔ القمر:۴۔۵
۵۸۔ الدارقطنی: ج۴،ص۱۴۴
۵۹۔ المفردات: بہ ذیل مادہ
۶۰۔ التفسیر الکبیر:۲۳:۱۲۴
۶۱۔ التفسیر الکبیر:۲۳:۱۲۸
۶۲۔ الجامع الاحکام القرآن:۲۰:۲۱۶
۶۳۔ روح البیان:۱۰:۵۲۴
۶۴۔ مسلم۔کتاب الفضائل
۶۵۔ ترمذی:ابواب تفسیر القرآن
۶۶۔ ترمذی:ابواب التفسیر
۶۷۔ مسند احمد مرویات عبداللہ بن مسعود
۶۸۔ دارمی۔السنن: ج۱۔ص۵
۶۹۔ الضحیٰ:۵
۷۰۔ التفسیر الکبیر۳۰:۴۰
۷۱۔ روح المعانی:۳۰:۱۶۰
۷۲۔ الضحیٰ:۶۔۸
۷۳۔ المائدہ:۳
۷۴۔ المفردات: بہ ذیل مادہ
۷۵۔ آل عمران:۱۹
۷۶۔ النساء:۱۲۵
۷۷۔ المائدہ:۷۷
۷۸۔ التوبۃ:۳۲
۷۹۔ آل عمران:۸۵
۸۰۔ الاحزاب:۴۰
۸۱۔ ترمذی: کتاب الرؤیا۴:۱۶۳
۸۲۔ البخاری: کتاب المناقب۔رقم:۳۳۴۲
۸۳۔ مسلم: کتاب الفضائل۔رقم:۲۳۵۴
۸۴۔ بخاری: کتاب احادیث الانبیاء۔رقم:۳۲۶۵

۸۵۔ المعجم الکبیر طبرانی ۸:۱۱۵
۸۶۔ مسند احمد ۲:۱۷۲
۸۷۔ سورہ سبا:۲۸
۸۸۔ الرعد:۷
۸۹۔ الاعراف:۶۵
۹۰۔ الاعراف:۷۳
۹۱۔ سورۃ الفرقان:۱
۹۲۔ بخاری: کتاب تیمم الرقم:۳۳۸۔ مسلم: کتاب المساجد الرقم ۴۲۷۔ مسند احمد:۳:۳۰۴۔ رقم ۱۴۳۰۳
۹۳۔ مسلم:۱:۳۷۰ کتاب المساجد الرقم:۵۲۱
۹۴۔ مسلم: کتاب المساجد ۱:۳۷۱ الرقم:۵۲۳
۹۵۔ التوبہ:۱۲۸
۹۶۔ مسلم: کتاب الفضائل۔ رقم:۲۲۷۶
۹۷۔ ترمذی: ابواب المناقب ۵:۵۸۴ رقم:۳۶۰۸
۹۸۔ ترمذی: ابواب المناقب ۲:۳۵۳، ۸، ۲۶
۹۹۔ المدثر ۷۴:۱۔۷
۱۰۰۔ المائدہ ۵:۱۶۷
۱۰۱۔ المومنون:۵۱
۱۰۲۔ آل عمران:۱۴۴
۱۰۳۔ الانفال:۶۴۔۶۵
۱۰۴۔ المفردات: بہ ذیل مادہ
۱۰۵۔ مریم:۵۸
۱۰۶۔ النساء:۱۲۵
۱۰۷۔ مریم:۱۹
۱۰۸۔ مریم ۱۹:۵۶
۱۰۹۔ النساء:۱۶۴
۱۱۰۔ النساء:۱۷۱
۱۱۱۔ طٰہٰ:۱۱۔۱۲
۱۱۲۔ المائدہ:۱۱۰
۱۱۳۔ المزمل:۱۔۴
۱۱۴۔ الاحزاب:۴۵۔۴۴
۱۱۵۔ البقرۃ:۲۵۷
۱۱۶۔ التوبہ:۱۲۸
۱۱۷۔ الانبیاء:۱۰۷
۱۱۸۔ سورۃ الانبیاء:۸۵۔۸۶
۱۱۹۔ آل عمران ۳:۱۵۹
۱۲۰۔ مریم:۴۶۔۴۷
۱۲۱۔ التوبہ:۱۱۴
۱۲۲۔ المائدہ:۱۱۸
۱۲۳۔ طٰہٰ:۴۴
۱۲۴۔ التوبہ:۸۰
۱۲۵۔ التوبہ:۸۴
۱۲۶۔ سیرت حلبی:۵:۲۵۴
۱۲۷۔ سیرت حلبی:۵:۲۵۴
۱۲۸۔ ابن ہشام
۱۲۹۔ المفردات: بہ ذیل مادہ رحمۃ
۱۳۰۔ الانفال:۳۳
۱۳۱۔ النحل:۸۹
۱۳۲۔ الانبیاء:۱۰۷
۱۳۳۔ المفردات بہ ذیل مادہ رحمٰن
۱۳۴۔ الاعراف:۱۵۷
۱۳۵۔ المفردات بہ ذیل مادہ رحمۃ
۱۳۶۔ الروم:۴۷
۱۳۷۔ المومن:۶۰
۱۳۸۔ بخاری: کتاب التیمم۔ رقم:۳۲۸

۱۳۹ مسلم ۱: ۳۷۲
۱۴۰ ترمذی ۵: ۵۹۹
۱۴۱ آل عمران: ۱۵۱
۱۴۲ الاحزاب: ۲۶
۱۴۳ طبری۔ تاریخ الامم والملوک: ج ۲، ص ۱۳۴
۱۴۴ بخاری: ۱: ۱۲۸
۱۴۵ مسلم: ۱: ۳۷۲
۱۴۶ بخاری: ۱: ۱۲۸
۱۴۷ مسلم: ۱: ۱۳۷۱ الرقم: ۵۲۳
۱۴۸ بخاری: ۳: ۱۰۸۷
۱۴۹ المعجم الصغیر للطبرانی: ۲: ۱۲۸۱ الرقم: ۱۱۶۹
۱۵۰ المسند لاحمد بن حنبل: ۲: ۱۶۵۱۱ الرقم: ۶۵۴۱
۱۵۱ بخاری: ۵: ۲۶۵
۱۵۲ مسلم: کتاب الایمان، رقم: ۳۷
۱۵۳۔ ترمذی ۴: ۳۷۶
۱۵۴۔ الحجر: ۹
۱۵۵۔ المائدہ: ۶۷
۱۵۶۔ الزمر: ۳۶
۱۵۷۔ الطور: ۴۸
۱۵۸ القلم: ۲
۱۵۹۔ یٰس: ۶۹
۱۶۰۔ النور: ۱۶۔۱۷
۱۶۱۔ سورۃ الکوثر
۱۶۲۔ النساء: ۱۱۳
۱۶۳۔ النساء: ۸۰
۱۶۴۔ النساء: ۱۴
۱۶۵۔ الفتح: ۱۰
۱۶۶۔ الانفال: ۱۷
۱۶۷۔ التوبہ: ۶۲
۱۶۸ طٰہٰ: ۱۴
۱۶۹ الصف ۶۱: ۵
۱۷۰ الفتح: ۲۹
۱۷۱ آل عمران: ۱۱۰
۱۷۲ البقرۃ: ۶۱
۱۷۳ المائدہ: ۱۱۲
۱۷۴ المجادلۃ: ۲۲
۱۷۵ الفتح: ۱۔۲
۱۷۶ العبس: ۱۔۴
۱۷۷ آل عمران: ۱۰۳
۱۷۸ الانفال: ۶۲۔۶۳
۱۷۹۔ الاعراف: ۱۵۷
۱۸۰۔ الصف: ۶
۱۸۱۔ یوحنا: ۱۴/۱۶
۱۸۲۔ خطبات احمدیہ: ص ۴۵۵
۱۸۳۔ قاموس الکتاب بہ ذیل فارقلیط
۱۸۴ Preface of the Holy Prophet Page 5
۱۸۵۔ تثنیہ: شرع ۱۶،۵/۱۸
۱۸۶۔ تثنیہ: ۳۳/۲،۳
۱۸۷۔ معجم البلدان: بہ ذیل فاران
۱۸۸۔ پیدائش: ۲۱: ۲۱
۱۸۹۔ آل عمران: ۸۱
۱۹۰۔ الجامع الاحکام القرآن: ۱: ۲۸۷
۱۹۱۔ المواھب اللدنیہ: ۱: ۴۷۴۴
۱۹۲۔ الانعام ۶: ۳۳

۱۹۳۔ الانعام:۱۴۷

۱۹۴۔ یونس:۶۵

۱۹۵۔ ھود:۱۲۰

۱۹۶۔ الحجر:۹۵۔۹۷

۱۹۷۔ الکھف:۶

۱۹۸۔ النحل:۷۰

۱۹۹۔ لقمان:۲۳۔۲۴

۲۰۰۔ ابن کثیر۳:۴۷۰

۲۰۱۔ حلبی:۱۔۳۰۔زرقانی:۱:۴۷

۲۰۲۔ ترمذی:ابواب المناقب۔رقم:۳۶۰۹

۲۰۳۔ المعجم الکبیر۱۲:۱۱۹۱۱الرقم۱۲۶۴۶

۲۰۴۔ ترمذی: کتاب المناقب۵:۸۵۸

۲۰۵۔ ترمذی:۵:۳۰۸

۲۰۶۔ مسندلاحمد بن حنبل۵:۱۹۹۱۱الرقم۲۱۷۸۵

۲۰۷۔ المسند لاحمد بن حنبل۵:۱۹۹۱۱الرقم:۲۱۷۸۶

۲۰۸۔ مسلم:۴:۱۷۸۲

۲۰۹۔ الجامع الصحیح۵:۵۸۷۱الرقم۳۶۱۶

۲۱۰۔ بخاری:۱:۲۷۸کتاب الاذان الرقم:۷۷۳

۲۱۱۔ المسند الاحمد بن حنبل۳:۱۴۴

۲۱۲۔ بخاری:۶:۲۷۱۸کتاب التوحید الرقم۷۰۳۶

۲۱۳۔ بخاری: کتاب الدعوات۵:۲۳۲۲

۲۱۴۔ المسند الاحمد بن حنبل

۲۱۵۔ بخاری: کتاب التوحید۶:۲۷۲۷ ۲۱۶۔

۲۱۶۔ بخاری: کتاب التوحید۶:۲۷۲۷

۲۱۶/الف الجامع الاحکام القرآن:۲۰:۹۶

۲۱۷۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل الخازن۴:۳۸۴

۲۱۸۔ مسلم: کتاب الایمان۱:۱۹۱

۲۱۹۔ بنی اسرائیل:۷۹

۲۲۰۔ المسند لاحمد بن حنبل:۳:۱۴۵۶الرقم۴۵۶

۲۲۱۔ الوفا فی احوال المصطفی لابن الجوزی:۸۴۱

۲۲۲۔ الوفا:۸۴۱

۲۲۳۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل۳:۱۷۵

۲۲۴۔ فیروزآبادی۔تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:۴۴۰ ۲۲۵۔ جلالین للسیوطی والمحلی۱:۳۷۵

۲۲۶۔ بنی اسرائیل:۱

۲۲۷۔ النجم:۷۔۱۸

۲۲۷/الف۔تفسیر کبیر: بہ ذیل تفسیر سورہ نجم

۲۲۸۔ المعجم الکبیر للطبرانی:۳:۴۳۱الرقم۲۶۲۹

۲۲۹۔ مسلم:۴:۱۷۸۲

۲۳۰۔ السنن لابن ماجہ:۲:۴۴۳

۲۳۱۔ ترمذی:۵:۵۸۷

۲۳۲۔ المسند لاحمد بن حنبل۱:۲۸۱

۲۳۳۔ترمذی:۵.۳۰۸

۲۳۴۔سورۃ النساء:۴۱

۲۳۵۔ النحل:۸۹

۲۳۶۔ ترمذی:۵:۵۸۵۱الرقم:۳۶۱۵

۲۳۷۔ السجدۃ:۱۶۔۱۷

۲۳۸۔ بنی اسرائیل:۷۹

۲۳۹۔ المفردات

۲۴۰۔ المزمل:۱۔۶

۲۴۱۔ المفردات

۲۴۲۔ الاعراف:۱۵۷

۲۴۳۔البقرۃ:۲۸۶ •

۲۴۳/الف۔عدد:۱۵۔۳۶

۲۴۴۔ سفرالتکوین۳۳:۳۲

۲۴۵۔ سفرالتکوین:۳۴۔۲۵

۲۴۶۔ المفردات بہ ذیل مادہ
۲۴۷۔ الم نشرح:۳
۲۴۸۔ الجامع لاحکام القرآن
۲۴۹۔ الکہف:۶
۲۵۰۔ طٰہٰ:۱۔۳
۲۵۱۔ القیامۃ:۱۷
۲۵۲۔ المائدۃ:
۲۵۳۔ القمر:۱۷
۲۵۴۔ النصر:۱
۲۵۵۔ طٰہٰ:۲۵۔۳۰
۲۵۶۔ الشعراء:۱۲۔۱۳
۲۵۷۔ طٰہٰ ۲۰:۲۵۔۲۸
۲۵۸۔ الزمر ۳۹:۲۲
۲۵۹۔ النحل ۱۶:۱۰۶
۲۶۰۔ الم نشرح ۹۴:۱
۲۶۱۔ الانعام ۶:۱۲۵
۲۶۲۔ المفردات
۲۶۳۔ القلم ۶۸:۲۔۶
۲۶۴۔ الموطا۔ الامام مالک: باب حسن الخلق
۲۶۵۔ مشکوٰۃ المصابیح:۴۳۱
۲۶۶۔ الموطا الامام مالک: باب حسن الخلق
۲۶۷۔ المفردات
۲۶۸۔ الم نشرح:۱۔۴
۲۶۹۔ الاحزاب ۳۳:۵۶

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ سیرت ایوارڈ ۱۴۳۲ھ / 2011ء

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ نے سیرت النبیؐ، اقبالیات اور مخطوطات کے حوالے سے ایک عظیم الشان لائبریری بیت الحکمت کے نام سے قائم کی۔

سیرت نبویؐ سے اُن کی محبت کی یاد میں اس ایوارڈ کا اجرا کیا جا رہا ہے۔

- اس مقابلے میں سیرت نبویؐ پر شائع ہونے والی نثری، مترجم اور منظوم کتب شامل کی جائیں گی۔
- اس مقابلے میں ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء کے دوران شائع ہونے والی کتب شامل ہوں گی۔
- ہر کتاب کی چار عدد کاپیاں ۱۵ محرم ۱۴۳۲ھ تک وصول ہو جانی چاہییں، بعد میں یا کم آنے والی کتابیں مقابلے میں شامل نہیں ہوں گی۔
- مصنفین کا فیصلہ حتمی ہوگا اور اُس کا احترام کیا جائے گا فیصلے کا اعلان ربیع الاوّل میں کیا جائے گا۔

پہلا انعام:-/25000 روپے | دوسرا انعام:-/15000 روپے | تیسرا انعام:-/10000 روپے

بیت الحکمت 109 حبیب پارک بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ لاہور
Ph.: 0321-4589419, 0300-9401474